نعت رنگ

اِداریوں کی تنقیدی جہات
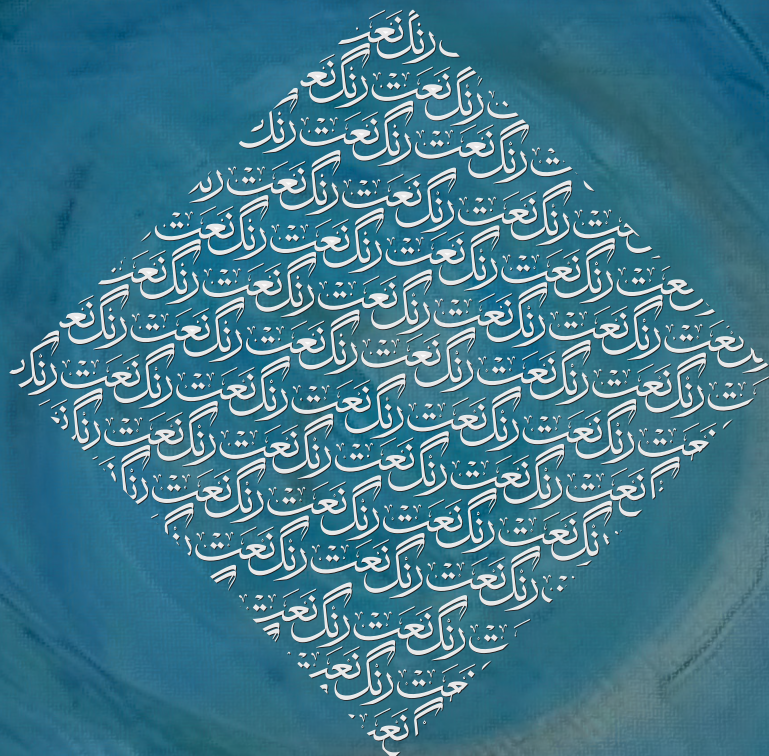
ریاض مجید

نعت اکادمی

میں نے ان اداریوں کے بہ یک مقصد مطالعے میں، صبیح رحمانی مدیر سے ایک ناقد برآمد ہوتے دیکھا ہے۔آپ اسے صبیح بحیثیت نعتیہ ناقد، کا ارتقا کہہ لیجیے۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ گزشتہ ربع صدی کے سفر نے غیر محسوس طور پر اردو نعت کو ایک ایسے ناقد سے روشناس کرا دیا ہے جس کے سامنے اردو نعت کی تاریخ،اس کے مختلف ادوار،شاعر،کتب،رسائل اور دوسرے مباحث ومیلانات اور رجحانات وتغیرات کا پورا منظر نامہ ہے۔اب صبیح ایک شاعر،نعت خواں اور مدیر کی سطح سے آگے کا ایک ریسرچ سکالر ہے جس کی مثال اردو کی معاصر ادارتی تاریخ نعت میں کم کم ملے گی۔

ریاض مجید

ریاض مجید

نعت اکادمی

کتاب	:	"نعت رنگ" کے اداریوں کی تنقیدی جہات
مصنف	:	ریاض مجید
کتابت	:	بشریٰ فریاد
مطبع	:	مہر گرافکس اینڈ پبلشرز
سرورق	:	محمد مختار علی
اشاعت	:	2024ء
تعداد	:	500
صفحات	:	132
قیمت	:	800
کتابی سلسلہ نمبر	:	136

شائع کردہ

صبیح رحمانی کے نام

خوش رہیں وہ نعت گفتار اہلِ ذوق
جن کی باتوں میں عقیدت کی تڑپ ہے
اور محبت کی مٹھاس

جن کی جلوت اور خلوت کی متاعِ زندگی ہے
نعت ریز و نعت بیز و نعت خیز
جن کی سعیِ جاں کا ہر روشن ورق
نعت آمیز اور نقد انگیز ہے

فہرست

ہے نعت کے باب میں وہ دُرِ تابندہ
خدماتِ نعت اُس کی ہیں رخشندہ
لاریب ، صبیح اس دبستان اندر
ہے آج کی نعت کا شہیدِ زندہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ابلاغ کے مسئلہ پر بات کرتے ہوئے عام طور پر تین پہلوؤں سے بات کی جاتی ہے ایک کہنے والا ایک سننے والا اور ایک وہ بات جو ہو رہی ہے جس کو کہا اور سنا جا رہا ہے۔ ابلاغ جو اردو میں انگریزی الفاظ Communication کا متبادل ہے اپنے اندر Transferring thoughts from writer to the reader. کا مفہوم رکھتا ہے۔ اظہار اور Expression سے بڑھ کر ہے۔ اظہار کا لفظ ترسیل فکر کا وہ معنوی پہلو نہیں رکھتا جو لفظ ابلاغ کے اندر ہے یہ تینوں پہلو بہت اہم ہیں بات کرنے والا بھی صاف اور غیر مبہم انداز میں بات کرے۔ بات، مسئلہ زیر بحث موضوع بھی واضح ہو اور سننے والا بھی پورے انہاک اور توجہ سے وہ بات سنے ___ اگر سننے والا بات کو پوری توجہ ہی نہ دے پائے گا تو بات (مسئلے) کا ابلاغ کیسے ہو گا ___ اس کاروائی ابلاغ کا ایک چوتھا پہلو بھی ہے جس کی طرف بہت کم لوگوں کی توجہ جاتی ہے اور وہ ہے ساعت ابلاغ یا لمحۂ تفہیم کا __ اگر کوئی تحریر کسی پُر سکون، خوشگوار اور توجہ طلب ساعت میں پڑھی گئی یا سنی گئی ہے تو اس کے اثرات بلکہ ثمرات دیر پا ہوتے ہیں اور بار بار پڑھنے اور سننے والی بات بدلتی ہوئی ساعت مطالعہ میں اپنے کئی اور معانی کے دَر بھی وَا کرتی ہے۔ تازہ حوالوں سے اپنی کئی اور معنوی پرتیں بھی کھولتی ہیں یوں ابلاغ ہر بار مکمل سے مکمل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

برادر عزیز صبیح رحمانی کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے 'نعت رنگ' کے گاہے گاہے مطالعات میں کئی بار ایسے 'تدریجی ابلاغ' کی کیفیات سے گزرا جب کبھی اس کا

تازہ شمارہ ملا اس کے مندرجات پر ایک نظر ڈالی، کبھی کسی اہم مضمون کو پڑھا، مکاتیب کا حصہ دیکھا دو چار دنوں پر اسے فائل کا حصہ بنا لیا اور جب کبھی کسی حوالے کی ضرورت پڑی اس کے مطلوب حصہ کو پڑھا بعض کو بار بار پڑھا یوں پہلے پرچے سے اب تک چھپنے والے (۳۱) شماروں کو مطالعاتی ضرورت کے لیے کئی بار دیکھا اور پڑھا ــــ

اس کے اداریوں کو پڑھتے ہوئے اس میں موجود تنقیدی عناصر اور جملوں کی طرف توجہ گئی اور تکرار مطالعہ میں ہر بار اس کا کوئی نہ کوئی تازہ پہلو سامنے آیا۔ گزشتہ پچیس تیس سالوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ ایم فل، پی ایچ ڈی اور نعت کے دوسرے سکالرز کے لیے کبھی کبھار نعت رنگ کی فائل کچھ دیر کے لیے زیرِ مطالعہ رہی اس طرح نعت رنگ کے اداریوں میں کئی بار نقد سا ماں جملے توجہ میں آئے اور تنقیدی خیالات میں مہمیز کا باعث بنے۔

زیرِ نظر مختصر سی کتاب 'نعت رنگ' کے اداریوں کے ایسے مطالعہ کی عطا ہے۔

ریاض مجید

نعت رنگ کے اداریوں کی تنقیدی جہات

تنقیداتِ نعت کے مربوط مطالعات کا آغاز گزشتہ صدی کے آخری نصف میں ہُوا۔ ’اردو میں نعتیہ شاعری‘ پر پہلا تحقیقی مقالہ سید رفیع الدین اشفاق نے لکھا جس پر انہیں ناگپور یونیورسٹی (انڈیا) سے ۱۹۵۵ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا ہوئی اس مقالے کی اشاعت اکتوبر ۱۹۷۶ء میں اردو اکیڈمی سندھ کراچی میں ہوئی۔ پاکستان میں ’اردو نعت‘ پر پہلا مقالہ جس پر پنجاب یونیورسٹی لاہور نے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی لکھنے کی سعادت راقم کو نصیب ہوئی [اس کا خاکہ شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں ۱۹۶۴ء میں جمع کرایا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں اس پر ڈگری کا اعلان ہُوا اور ۱۹۹۰ء میں یہ مقالہ ’اردو میں نعت گوئی‘ کے نام سے اقبال اکادمی پاکستان نے لاہور سے شائع کیا۔ خاکے سے اشاعت تک اس کے کئی مرحلوں کی تفصیلات بڑی دلچسپ ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ انہیں کسی اور وقت پر اٹھا رکھتے ہیں]

ان دونوں مقالوں کے درمیان ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب ’اردو میں نعتیہ شاعری‘ آئینہ ادب لاہور سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی میری معلومات اور طالب علمانہ تحقیقی رسائی کے مطابق یہ واحد کتاب تھی جسے تحقیقی مقالے کے انداز میں مرتب کیا گیا تھا اس کے دو حصے تھے پہلا حصہ تحقیقی و تنقیدی امور و مسائل کے حوالے سے تھا اور دوسرا حصہ نعتیہ انتخاب پر مشتمل تھا۔ درمیانی سالوں میں نعت کے کئی اہم انتخابات بھی شائع ہوئے جیسے ’خیر البشرؐ کے حضور میں‘ (ممتاز حسن) __ جس کے آغاز میں نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کچھ تنقیدی اشارے مل جاتے ہیں ڈاکٹر طلحہ برق رضوی کی کتاب ”اردو کی نعتیہ شاعری“ (مطبوعہ ۱۹۷۴ء، دانش اکیڈمی بہار) بھی انہیں سالوں میں شائع ہوئی۔

ساٹھ، ستر اور اسّی کی دہائیوں میں اردو رسائل میں بھی کچھ ایسے مضامین شائع ہوئے اور نعت کی کچھ کتابوں میں دیباچوں کی صورت میں بعض ایسی تحریریں چھپی جن میں صنفِ نعت اور بعض نعت نگاروں کے فکر وفن کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ اسی دوران میں بعض رسائل کے نعت نمبر یا بعض رسائل میں نعت کے خصوصی گوشوں نیز ایم اے اور پی ایچ ڈی کی سطح کے کچھ مقالوں میں بھی نقدِ نعت کے بارے میں تحقیقی وتنقیدی مواد کا سراغ مل جاتا ہے۔

تنقیداتِ نعت کا یہ سارا کام 'نعت رنگ' کے آغاز سے پہلے کا ہے۔ 'نعت رنگ' نے تنقیداتِ نعت کو ایک ایسی مربوط، واضح اور موثر صورت دی کہ نعت کی تنقید کا بیانیہ بالکل بدل گیا۔ 'نعت رنگ' کے اب تک چھپنے والے اکتیس شماروں نے تنقیداتِ نعت میں جو اضافے کیے ہیں اس سے تنقیدِ نعت کا بیانیہ نمایاں حد تک مختلف ہو گیا ہے یا یوں سمجھئے کہ نعت کے تنقیدی سفر کو ایک باضابطہ جہت مل گئی اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ نقدِ نعت کی تاریخ میں نعت رنگ سے پہلے کا دَور، اور نعت رنگ کا دَور نمایاں فرق رکھتا ہے۔

ان دو اَدوار میں ملنے والی تنقیدی تحریروں کا اگر الگ الگ گوشوارہ بنایا جائے تو ہمیں 'نعت رنگ' سے پہلے اور 'نعت رنگ' کے بعد سے شروع ہونے والے ادوار میں بحیثیت مجموعی ایک نمایاں فرق ملے گا یہ فرق اچانک پیدا نہیں ہُوا بتدریج معیار اور مقدار کے حوالے سے واضح اور مربوط ہوتے تنقیدات نعت کے میلانات کے سبب سامنے آیا ہے۔ انفرادی کوشیش تو اپنے اپنے طور پر کم وبیش ہر دہائی میں ہوئی تھیں لیکن 'نعت رنگ' کے پلیٹ فارم سے شمارہ بہ شمارہ نقدِ نعت کی جو جمع آوری ہوئی اور جیسے جیسے اساتذہ اور نئے جواں سال ناقد اس فورم کے ذریعے سامنے آئے اس سے دو تین دہائیوں میں نقدِ نعت کی مساعی کو ایک باقاعدہ رُخ ملتا نظر آتا ہے جیسے ندی کے دو کنارے فطری طور پر زمین پر بنتے چلے جائیں اور دائیں بائیں ہونے والی بارشوں کا پانی

ازخوداِن کناروں کے اندر ایک باقاعدہ بہاؤ میں شامل ہوتا جائے۔

تحریکوں، اداروں، رویّوں، میلانات اور اصناف کی تشکیل بھی ایسے ہی ہوتی ہے۔ایک آواز پر ہم خیال، ہم ذوق

ع لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

کی صورتیں ایسے ہی نمودار ہوتی ہیں یوں 'نعت رنگ' کے ہم کاروں کا ایک گروپ سا بنتا گیا۔

نعت کی صنف کو ادب کے مرکزی دھارے میں لانے کے لیے نعت رنگ کے ذریعے سامنے آنے والی مساعی کا جائزہ ضروری ہے۔

گزشتہ تین دہائیوں میں 'نعت رنگ' کی جو تنقیدی میراث ہمارے سامنے آئی یہ ایک ہمہ پہلو مطالعہ کی متقاضی ہے یہ تحریر اس مطالعے کا ایک رخ ہے جس میں اس امر کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے کہ 'نعت رنگ' کے اداریوں میں تنقیدی جملے، اشارے اور چھوٹے چھوٹے تنقیدی شذرات کو بہ یک نظر دیکھ کر ان کی نقد سامانی کا جائزہ لیا جائے اور 'نعت رنگ' کے مدیر کے تنقیدی وژن کا سراغ لگایا جائے۔

سو_______

'نعت رنگ' کے تمام اداریوں کو پڑھنے کے بعد ان میں دستیاب نقد رو جملوں، نکتوں اور تنقید ساماں مسائل و امور کو شمارہ وار الگ کیا گیا___ ان میں تنقیدی مواد اور امکاناتِ نعت کی نشاندہی کرتے ہوئے ان پر اپنی آرا کا رکا مختصر اظہار کر دیا یوں یہ مضمون 'نعت رنگ کے اداریوں میں تنقیدی عناصر' تحریر ہُوا۔

جس طرح پہاڑوں سے نکلنے والے جھرنے کا راستہ شروع شروع میں متعین نہیں ہوتا راستے میں نشیب کی فطری سہولت اُسے گزرگاہ فراہم کرتی چلی جاتی ہے پانی کہیں چٹانوں سے ٹکرا کر رُخ بدلتا اور اپنے بہاؤ کو راہ کے پیچ و خم سے سازگار کرتے بہتا چلا جاتا ہے اسی طرح بعض کام ایسے ہوتے ہیں۔جن کے بارے میں آغازِ کار میں کوئی

باقاعدہ روڈ میپ بنایانہیں جاتا (کہ وہ بنایا جا سکتا ہی نہیں) ____ وقت کے ساتھ ساتھ کام کے پھیلاؤ اور طریق کار میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن خوشی اور اطمینان کی بات یہ ہے کہ اگر اس کام کا مقصد نیک اور اس کا طریقِ کار خیر کے رویّوں پر استوار ہو تو اس کام کا بہاؤ، رفتارِ کار اور طرزِ عمل از خود راست اقدام اور مثبت انجام ہوتا جاتا ہے کچھ ایسی ہی بابرکت سعی و جہد کا آغاز آج سے تین عشرے قبل 'نعت رنگ' کی صورت میں ہُوا۔ اردو رسائل و جرائد کی تاریخ میں کسی ایک صنف پر (صنف بھی ایسی جو ادبی معیارات کے اعتبار سے ابھی تشکیل کے مرحلے میں تھی) نعت رنگ کا طلوع جتنا نتیجہ خیز ثابت ہوا اور شمارہ بہ شمارہ ماشاء اللہ جتنا موثر ہو رہا ہے حیران کن اور بہجت افزا ہے بقول شاعر

ع اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں

اردو نعت کے ابتدائی نمونے اگرچہ اردو قدیم ہی سے ملنے شروع ہو جاتے ہیں حالیہ تحقیق کے مطابق اردو نعت کا ابتدائی نمونہ مثنوی **'چندائن'** میں ملتا ہے جسے شمالی ہند کے شاعر **ملاّ داؤد** نے **۷۸۱ھ** میں لکھا۔ اس سے قبل دکنی مثنویوں میں فخر الدین نظامی کی مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' کے آغاز کے چند نعتیہ شعروں کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ یہ مثنوی ۸۶۵۔۸۳۸ء کے زمانے کی تصنیف ہے۔ جس کے بعد کی سینکڑوں مثنویوں میں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ تب سے اب تک نعتیہ روایت کی تاریخ کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں تو جداگانہ نعتیہ دیوانوں، مجموعوں کی علاحدہ اشاعت بھی شروع ہو گئی تھی مگر تب سے اگلی صدی کے قریباً وسط تک لکھی جانے والی شاعری کے نعتیہ اثاثے کو جداگانہ صنفی تشخص دینے میں ہمارے تذکرہ نگار اور ناقد ہمیشہ ہچکچاہٹ کا شکار رہے۔ اردو کی ادبی تاریخ اور تنقید کی باقاعدہ تشکیل بیسویں صدی کے پہلے ربع کے بعد شروع ہوئی جب اردو ادب کے مختلف شعبوں، صنفوں اور ہیئتوں

پر تنقیدی نکتہ ہائے نظر کی تحریری صورتیں با قاعدہ کتابوں کی صورت میں سامنے آنا شروع ہوئیں (اردو کی ایک اہم تحریک جو ترقی پسند تحریک کے نام سے موسوم ہے کا آغاز بھی انہیں عشروں میں ہُوا۔اس تحریک نے اردو ادب کے محرکاتِ تخلیق سے اُس کے مقاصد تک ہمہ گیر اثرات ڈالے۔

اس تحریک کے بہت سے فوائد کے ساتھ ایک بڑا نقصان تقدیسی ادبیات کو پہنچا کہ تحریک اپنے منشور اور مقاصد کے اعتبار سے مذہب بیزار نہ سہی مذہب گریز ضرور تھی یہ کم سے کم محتاط الفاظ ہیں جو اُس زمانے کی ادبی فضا میں ترقی پسند تحریک اور اس کے زیر اہتمام چلنے والی انجمن ترقی پسند مصنّفین کے رویّوں کے بارے بات کی جا سکتی ہے) ان حالات میں جب مذہب سے وابستگی کو ادیبوں کے لیے شجرِ ممنوعہ بنا دیا گیا ہو تقدیسی ادب کی نشوونما آزادانہ ماحول میں کیسے ہوتی، سجاد ظہیر کا احمد ندیم قاسمی کو یہ مشورہ کہ مذہب سے ''جتنی جلدی ممکن ہو اپنا پنڈ چھڑا لیں'' سے بڑھ کر 'مذہب گریز' رویّے کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے؟ بقول جلیل عالی:

> ''سجاد ظہیر کی طرف سے مذہب سے پنڈ چھڑانے کے مطالبے پر ندیم نے یہ کہہ کے (برملا اظہار) کر دیا تھا کہ میرا مذہب مجھے محنت کشوں اور زیر دستوں کی حمایت سے نہیں روکتا اِس حوالے سے شروع کے شعری مجموعے'' جلال و جمال' کے دیباچے میں ندیم کا یہ بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ (ادبیات اسلام آباد، مضمون مشمولہ جلیل عالی، ندیم کی شعری واردات کی معنوی تہیں، ص۱۱۳)

''ترقی پسند تحریک کا مذہب کے بارے میں رویّہ'' کا موضوع ایک جداگانہ موضوع ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔اس تحریک کے با قاعدہ خاتمے کا اعلان (سجاد ظہیر نے بھیمبڑی کانفرنس، بمبئی) ۱۹۵۳ء میں کر دیا تھا۔اب قریباً پچھتّر سال بعد تاثرات و تعصاب سے ہٹ کر اس مسئلہ کے حقیقت پسندانہ تجزیے کی ضرورت ہے کہ

مذہب بیزار رویّوں سے اس تحریک اور ادب کو کیا فائدہ پہنچا؟

یہ سب جانتے ہیں کہ تقدیسی ادب (حمد و نعت) کی اُس ماحول میں گفتگو ادبی حلقوں میں نہ ہونے کے برابر رہی۔ انجمن ترقی پسند مصنّفین کے اجلاسوں اور ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر چھپنے والے رسالوں میں دُور دُور اِن اصناف کا ذکر نہیں اپنے منشور سے وابستگی کے علاوہ اُن کے مدیر کسی دوسرے مصنف کی تصنیف اور تخلیق کو علی الاعلان مسترد کر دیتے تھے۔ 'کارِ جہاں دراز ہے' میں قرۃ العین حیدر ترقی پسندانہ رسائل میں اپنے افسانے نہ چھپنے کا ذکر بڑا کھل کر کرتی ہیں اسی طرح 'نیا ادب' مرتبہ احمد ندیم قاسمی شمارہ ۲ میں سعادت حسین منٹو کا ایک افسانہ اسی وجہ سے شائع کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ اب ان کی پالیسی بدل گئی ہے ___ جب قرۃ العین حیدر اور سعادت حسین منٹو جیسے عظیم افسانہ نگاروں کے بارے میں ایسا رویّہ اپنایا جائے تو مذہبی موضوعات پر لکھی نظموں کو کہاں جگہ ملتی؟ ['اردو ادب' (مرتب سعادت حسن منٹو اور حسن عسکری) میں چھپنے والے کچھ خطوط اس مضمون کے ساتھ ضمیمہ نمبر (۲) میں دیے جا رہے ہیں جس سے اُس زمانے کی ادارتی پالیسیوں کے بارے میں ہنگامی آرائی کی جھلک ملتی ہے۔]
یہی وجہ ہے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۶۰ء تک ادبی انجمنوں، رسالوں اور اشاعتی اداروں میں حمد و نعت کا ذکر نہ ہونے کے برابر رہا مگر انجمن ترقی پسند مصنّفین کے زیرِ اثر ادیبوں کے علاوہ نعت کا سفر جاری رہا اور اس دوران میں بھی مذہبی رسائل و جرائد اور عوامی حلقوں میں نعت کا اظہار ہوتا رہا۔

رسائل و جرائد میں نقدِ نعت کا باقاعدہ اور واضح آغاز 'نعت رنگ' کے اجراء سے ہُوا۔ صبیح رحمانی نے اِس کے پہلے شمارے کو جن ادارتی خطوط پر استوار کیا اُس سے اِس بات کی نشاندہی ہوگئی تھی کہ اِس جریدے کے ذریعے 'نقدِ نعت' کی ایسی روایت سامنے آ رہی ہے جس میں نعت کے قدیم اثاثے سے معاصر نعتیہ ذخیرے تک کو زیرِ تنقید لانے کی سنجیدہ کوشش کا پہلی بار آغاز ہو رہا ہے۔ سنجیدہ کوشش سے میری مراد نقدِ نعت کو

ایک باقاعدہ تسلسل کی صورت دینا ہے ورنہ نعت کے بارے میں تنقیدی جملے ____ مضامین اور کچھ کتابوں اور مقالوں کے آثار پہلے بھی موجود تھے۔'نعت رنگ' کے بیسوں شماروں نے نعت رنگ کی جس ہمہ پہلو روایت کو تسلسل بخشا یہاں اُس کے خاص تخصص کی نشاندہی مقصود ہے۔

صبیح نے نعت رنگ کے اداریوں میں بعض ایسے تنقیدی جملے لکھے یا ازخود غیر محسوس طور پر اُس کی تحریر میں آ گئے۔جس سے نعتیہ تنقید کی ایک نئی صورت سامنے آئی جسے ادارتی تنقید (Editorial Criticism) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔نعت کا ذوق رکھنے والے قارئین جانتے ہیں کہ صبیح کی تنقید کئی کتابوں کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔صبیح نے گزشتہ دواڑھائی عشروں میں نعت کی تنقید، ترتیب اور جمع آوری کا بہت سا کام کیا۔صبیح رحمانی کا تنقیدی سرمایہ بباطن کئی اہم تصانیف و تالیفات اور مضامینِ نقد کو محیط ہے مثلاً اُن کی درج ذیل کتابیں نعتیہ تنقید میں ایک معتبر اضافہ ہیں۔

۱) نعت نگر کا باسی (ڈاکٹر ابو الخیر کشفی) کی نعت شناسی، اقلیمِ نعت کراچی، 2008ء

۲) غالب اور ثنائے خواجہ، نعت ریسرچ سینٹر کراچی، 2009ء

۳) اردو نعت میں تجلیاتِ سیرت، نعت ریسرچ سینٹر کراچی، 2015ء

۴) ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعاتِ حمد و نعت، نعت ریسرچ سینٹر کراچی، 2015ء

۵) اردو نعت کی شعری روایت، اکادمی بازیافت کراچی، 2016ء

۶) پاکستانی زبانوں میں نعت - روایت اور ارتقاء، نعت ریسرچ سینٹر کراچی، 2017ء

۷) کلامِ رضا فکری و فنی زاویے، نعت ریسرچ سینٹر کراچی، 2017ء

۸) اقبال کی نعت، فکری و اسلوبیاتی مطالعہ، اکادمی بازیافت کراچی، 2018ء

۹) کلامِ محسن کاکوروی ادبی وفکری جہات، اکادمی بازیافت کراچی، 2018ء
۱۰) نقدِ نعت کی تخلیقی جہات، اکادمی بازیافت کراچی، 2022ء
۱۱) امیر مینائی کی نعت، نعت ریسرچ سینٹر کراچی، 2022ء

ان کتابوں کی وجہِ تالیف تو ان کے عنوانات ہی سے مترشح ہے اور اہلِ نعت اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ان موضوعات پر بزرگ اور نوجوان ناقدین اور محققین کی تحریروں کی جمع آوری سے مذکورہ موضوعات کی معنوی وسعتیں زمانی و مکانی تناظرات میں بخوبی اجاگر ہوئی ہیں لیکن زیرِ نظر مضمون کے تحت ان تالیفات کے مقدمے بہت توجہ کے قابل ہیں۔ ان مقدمات میں صبیح نے اپنے منتخب کردہ موضوعات و شخصیات کو جس تنقیدی سیاق وسباق میں متعارف کرایا ہے۔ اس کی تمام جہتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ان مقدمات سے چند کلیدی فقرات دیکھیے اس سے اندازہ ہوگا کہ تالیفات کے ضمن میں ان کی توجہ کیا ضروری اور تعمیری محرکات رکھتی ہے۔

> ''علم وادب اور فکر و دانش کی دنیا کے سارے بنیادی سوالات اور اساسی استفسارات بے شک اُٹھتے تو ایک ذہن میں ہیں یا بیان تو ایک زبان سے ہوتے ہیں لیکن ان کے پس منظر میں درحقیقت پورے ایک عہد کا شعور، ایک زندہ سماج کا ضمیر اور ایک خود آگاہ تہذیب کا نفس ناطقہ کارفرما ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایسے سوالات اور مباحث سامنے آتے ہیں تو وہ فی الاصل ایک دور کی ذہنی تشکیل اور ایک تہذیب کی صورت گری میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔''

(اُردو نعت کی شعری روایت، ص:۳۰)

> ''عصری سیاسی تناظر میں اُردو اور ملک کی دوسری سب زبانوں اور بولیوں کا یہ زندہ اور تخلیقی ربط وضبط ہماری قومی وتہذیبی زندگی کی شیرازہ بندی اور توانائی کے ضمن میں نہ صرف وہ کام کر رہا ہے جو وقت کا سب سے اہم

تقاضا ہے یعنی قومی وحدت کی تشکیل بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہماری تخلیقی اور تعمیری قوتوں کے لیے جہت نمائی کا فریضہ بھی سرانجام دے رہا ہے۔ یہ وہی جہت سے جو ہماری قومی وحدت، ملی یگانگت اور تہذیبی استحکام کی منزل کو جاتی ہے۔'' (پاکستانی زبانوں میں نعت، ص:۱۰)

''نعت نگار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے جب آپ کی سیرت کی بات کرتا ہے تو ایک جانب تو وہ خود کو عمل کی راہوں پر ڈالنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کررہا ہوتا ہے۔ دوسری جانب اس کا روئے سخن اپنے معاشرے کی طرف ہوتا ہے اس انداز سے وہ اپنے اشعار میں سیرت کے موتی بکھیرتے ہوئے اپنی شاعری کو رفعت سے ہمکنار کررہا ہوتا ہے۔ اور فی الاصل مقصدی! ادب کی تخلیق کی بنیادی غایت ہی یہ ہے۔''
(اُردو نعت نعت میں تجلیاتِ سیرت، ص:۱۰)

''ادب وشعر کے ناقدانہ مطالعے اور فنی و جمالیاتی جائزے کے لیے صنف کوئی حتمی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل اہمیت اس صنف میں انفرادی جوہر کے اظہار کی ہے۔ کسی بھی صنف سے جڑا ہوا شاعر جب اپنے عہد میں ایک تخلیقی رویے سے کوئی منفرد اور انقلاب آفریں جہت اجاگر کرتا ہے تو اسے نظر انداز کرنا کسی طور ممکن نہیں رہتا۔''
(کلامِ محسن کاکوروی۔ ادبی وفکری جہات، ص:۱۲)

''اعلیٰ درجے کی مذہبی شاعری جذبہ و احساسات اور فکر و شعور کی جتنی سطحوں کا احاطہ بیک وقت کرتی ہے اور جتنے مختلف رجحانات اور ذہنی رویے رکھنے والے لوگوں تک اپنا ابلاغ کرتی ہے وہ بلاشبہ کچھ اسی کا حصہ ہے۔''
(کلام محسن کاکوروی، ادبی وفکری جہات، ص:۱۰)

''نقد و نظر کا ماحول ایک کھلی فضا کا تقاضا کرتا ہے جب کہ ہم نے مولانا کے

گرد ایک تقدیسی ہالہ قائم کر رکھا ہے جو شعری تخلیقات کو معروضی انداز
اور ادبی معیارات کی روشنی میں پرکھنے والے سنجیدہ اہلِ قلم کو اس طرف
آنے سے روک نے کا سبب بن رہا ہے۔''

(کلام رضا۔فکری وفنی جہات، ص:۰۹)

''کسی شاعر کے جہانِ معنی کو تفہیم کا جواز محض اس کی زبان یا اس کے لسانی
پیکروں کی عقدہ کشائی سے موسوم نہیں بلکہ اس کے ادبی، جمالیاتی،
تلازماتی، حسیاتی اور فکری پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے عہد سے
ہم آہنگ کرنا بھی اس کی تشریح وتعبیر کا ایک رُخ سامنے لاتا ہے دراصل
اسی رُخ کی بنیاد پر کسی بھی شاعر کی نئے زمانے سے ہم آہنگی کے پہلو
سامنے آتے ہیں۔یہی پہلو اسے نئے زمانے میں قابلِ تفہیم بناتے ہیں
اور زندہ رکھتے ہیں۔''(کلام رضا۔فکری وفنی جہات، ص:۱۳)

''میری کوشش رہی ہے کہ میں ادب کی بڑی آوازوں کی گونج میں عشقِ نبیِ
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی کو تخلیقی توانائی کے سیلِ رواں میں ایک الگ شعاعِ نور
کے طور پر دریافت اور پیش کر سکوں۔''

(اقبال کی نعت۔فکری واسلوبیاتی مطالعہ، ص:۱۰)

''آج کے شاعر کے لیے دیکھنے اور کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے عہد سے
فکری اور حسی وابستگی کا ہنر تو اقبال اور اس کے طرزِ سخن سے سیکھے لیکن اس کی
معنویت کے لیے اسے اپنے عہد سے رشتہ استوار کرنا ہوگا اور اپنے عصر
کے ذہنی، عقلی، جذبی اور نظری تناظر کو اپنے تخلیقی تجربے میں ڈھالنا ہوگا۔''

(اقبال کی نعت۔فکری واسلوبیاتی مطالعہ، ص:۱۹)

''تاثراتی تنقید کو یار لوگوں نے غیر اہم بنانے کی بڑی کوششیں کی ہیں اس
لیے عرض کر دوں کہ ادب شناس طبقے کا تاثر بھی رواداری کا تاثر نہیں ہوتا

ہے اس میں تاثر کے پس پردہ پوری ادبی شخصیت ہوتی ہے جس کا علمی وادبی شعور تاثر کو قرطاس پر بکھیر نے میں پوری طرح صرف ہوتا ہے۔ تاثراتی تنقید نری ذاتی رائے نہیں ہوتی ہے بلکہ منجھے ہوئے ذوق، باریک بینی، نکتہ شناسی، تخلیقی دانش، لسانیاتی آ گہی اور فکری غواصی کا مظہر ہوتی ہے۔"

(نعت نگر کا باسی، ص:۱۴)

"کسی تہذیب کے نظامِ فکر وحیات میں کام کرنے والے ہر بڑے تصوّر کی بنیاد درحقیقت اس کے تصورِ الٰہ پر ہوتی ہے۔ یہ تصور جتنا بڑا، عمیق اور ہمہ گیر ہوگا اسی قدر اس تہذیب کے اوضاع میں وسعت، گہرائی اور جمالیاتی مظاہر میں جاذبیت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ چنانچہ براہِ راست مذہبی افکار اور تعلیمات کے زیرِ اثر ہونے کے باوجود اُردو کا وہ جملہ شعری سرمایہ جو قدر اوّل سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنے معنوی ابلاغ میں اسلام کے تصورِ الٰہ کی اس جہتِ جمال کا کسی نہ کسی درجے میں لازماً اظہار کرتا ہے اور بلاشبہ حمدیہ شاعری تو اس کی مکمل اور اعلیٰ ترین مثال پیش کرتی ہے۔"

(اُردو حمد کی شعری روایت، ص:۱۵)

"نعت کے ارتقائی سفر کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں ان پہلوؤں پر بھی توجہ دینی ہوگی کہ جو سیاسی، سماجی اور تہذیبی تغیرات ہمارے معاشرے میں ظہور پذیر ہوکر ہمارے ادب پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کا اثر ہماری نعت گوئی نے کس طرح اور کس حد تک قبول کیا۔" (امیر مینائی کی نعت، ص:۰۹)

"نظریات تصورات، افکار اور تھیوریاں سب کے سب اپنا وقت پورا کرتے رُخصت ہو جاتے ہیں۔۔۔ان کے فراہم کردہ زاویے، اُٹھائے ہوئے سوالات اور اجاگر کیے ہوئے نکات عام طور سے اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں ان کی پیش کردہ توضیحات اور تفہیمات کا تناظر بدل جاتا

ہے۔۔۔تخلیق زندہ رہتی ہے اور زمانے کے بدلتے ہوئے تناظر میں اس کے نئے مفاہیم دریافت ہوتے رہتے ہیں۔۔۔تخلیق کی برتری کی یہ حقیقت اپنی جگہ صد فی صد درست ہے لیکن میں نے ایک اور بات بھی محسوس کی ہے وہ یہ کہ ایسی تنقید جس کا فکری جوہر اگر کسی انداز سے ایک تخلیقی اسلوب اپنے اندر رکھتا ہے تو اسے بھی عام تنقید کے مقابلے میں کہیں زیادہ زندگی کا سامنا بہم ہو جاتا ہے۔'' (نقدِ نعت کی تخلیقی جہات، ص:۱۲)

ان کتابوں کے دیباچوں کے علاوہ کچھ متفرق تنقیدی مضمون بھی اُن کے تنقیدی شعور کی نشاندہی کرتے ہیں مثلاً

۱) نعتیہ شاعری میں ہائیکو کی روایت

۲) ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی ایک نظر میں

۳) ڈاکٹر افضال انور کے مقالے اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ

۴) ثنائے صاحبِ لولاکؐ اور پروفیسر محمد اکرم رضا

۵) اردو حمد کی شعری روایت

۶) ریاض مجید کی مشاہداتی نعتیں

۷) سعود عثمانی کی نعت گوئی

۸) غلام محمد قاصر کی تقدیسی شاعری

۹) موجہ رنگ و نور کا شاعر۔۔۔وفا کانپوری

۱۰) دبستانِ کراچی کا نعتیہ منظر نامہ

۱۱) تضمینات رازی، حیرت کدۂ فن

۱۲) کلیاتِ عزیز احسن، چند معروضات

۱۳) خالد بھائی اور آئینۂ مؤدت

۱۴) شاہ انصار الٰہ آبادی کا کلام

۱۵) تذکرہ نگار، مبصر، محقق اور تدوین کار

۱۶) صاحبزادہ سیّد منظور الکونین

۱۷) کلیاتِ ریاض سہروردی پر ایک نظر

۱۸) تنقیدِ نعت — نئے مکالمے کا آغاز

۱۹) کوثر رحمت

۲۰) محاسن — ایک تاثر

۲۱) اشکوں کے چراغ

۲۲) مطافِ حرف

۲۳) کشف و آگہی پر ایک نظر

۲۴) وفا کانپوری شخص و عکس

۲۵) نقدِ نعت کی نئی جہت، مشمولہ: اُردو نعت اور چند ادبی تحریکیں

۲۶) صبیح رحمانی کی تحریروں میں نعتیہ عناصر کے حوالے سے اُن کا ایک طویل مضمون 'اردو کا حمدیہ ادب: اجمالی جائزہ' (مطبوعہ نعت ریسرچ سنٹر ۲۰۲۰ء) بھی قابلِ ذکر ہے جس میں اختصار کے ساتھ اردو حمد کے فکر و فن کے ساتھ دوسرے حمدیہ مضامین و موضوعات پر بھی بات کی ہے۔ اس مضمون میں کتابچے کی اشاعت تک صبیح نے اردو حمد کے دستیاب اور معلوم مجموعوں کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ جو اردو حمد کے بارے میں کسی بھی بڑے تحقیقی و تنقیدی کام کے لیے ضروری مصادر اور مآخذات فراہم کرتے ہیں۔ یہ مضامین جن کا ذکر یہاں کیا گیا یہ فہرست نامکمل ہوسکتی ہے لیکن جس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ان مضامین میں کسی نہ کسی صاحبِ کتاب تخلیق کار یا تنقید نگار کے محاسن کا ذکر تو لازمی حصہ ہے ہی لیکن اس کے علاوہ جہاں جہاں صبیح نے نعت کے حوالے سے اپنی سوچ کا اظہار کیا ہے وہ اپنے اندر ہمہ گیری کی صفت رکھتا ہے۔ صرف دو

ایک مضامین سے کچھ فقرات ملاحظہ کیجیے جو میرے اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔

''مذہبی شاعری خصوصی طور پر محبت اور امن کا پرچار کرتی ہے۔ اس کے ذریعے فرد کی بیک وقت روحانی اور سماجی ضرورتوں اور مذہبی فرائض کے درمیان اس ذہنی خلا کو پُر کیا جا سکتا ہے جو مذہب اور سماج کے درمیان ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث اس تہذیبی بحران کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جو آگے چل کر بالآخر تہذیب کے انہدام کی بنیاد بنتا ہے۔''

(نعت اور جدید تنقیدی رجحانات، ص: ۱۵)

''فکری مسائل اور بحران کے اس دور میں روایت اور جدیدیت دونوں کے بنیادی تصورات کو سمجھتے ہوئے نعت اور اس کے فکری و فنی معیارات کو موضوع بنانا اور ان کی طرف جدید رجحانات کے فکری طرزِ عمل ک تعین کرنا یقیناً ایک قابلِ قدر کام ہے۔۔۔اس فضا کے مسائل کو سمجھے بغیر اور ان کے لیے بین العلومی طرزِ فکر اختیار کیے بغیر اس کاوش و جستجو کو نہ تو با معنی بنایا جا سکتا تھا اور نہ اپنے عہد سے مربوط کیا جا سکتا تھا۔''

(نعت اور جدید تنقیدی رجحانات، ص: ۱۵)

''کسی شاعر کا شعری آدرش معلوم ہو جائے تو اس کے تخلیقی نگارخانے کی سیر بھی آسان ہو جاتی ہے۔''

(مضمون: ثنائے صاحبِ لولاک، نعت رنگ ۲۳، ص: ۳۷۱)

''نعت گوئی کا منصبِ جلیلہ جس نے بھی پایا اس نے بڑی سعادت پائی لیکن نعت گوئی کے منصب کو جس نے ہوش مندی سے نباہا اس نے نعت گوئی کے مقصد کی طرف پیش قدمی کی۔''

(مضمون: ثنائے صاحبِ لولاک، نعت رنگ ۲۳، ص: ۳۷۵)

''سعود عثمانی کی نعت میں ذاتی اور اجتماعی حزن، وصل و ہجر کے دونوں

رنگوں سے آراستہ عشقِ رسول ﷺ کی اثر آفرینی، اس نسبتِ خاص سے وجود کی معنویت اور کائنات سے اپنا رشتہ، زندگی کی حقیقت، انسان کا ضابطۂ حیات، تاریخ میں ابھرتا انسانی قد وقامت، روح کا احوال، جذبے کی وسعت اور احساس کی گہرائی ایسے عناصر اس طرح ہمارے سامنے آتے ہیں کہ قاری سعود عثمانی کی نعت کو پڑھتے پڑھتے خود بخود اس کے تخلیقی تجربے اور جذبے کے وفور میں شامل ہو جاتا ہے۔''

(مضمون: سعود عثمانی کی نعت گوئی، نعت رنگ، شمارہ ۳۰، ص: ۶۶۷)

''روشنی کو لہو میں ڈھالنے کا عمل فن کے تخلیقی جذب و کیف کو نمایاں کرتا ہے اور شاعر کے محسوسات اس سحر طراز خوش سلیقگی سے کاغذ پر اتر آتے ہیں کہ لفظ لفظ آئینہ خانہ بن جاتا ہے جس میں قاری خود اپنے اندر کیفیات، تجربات اور مشاہدات کا عکس دیکھ سکتا ہے۔'' (مجموعہ وفا کانپوری، ص ۱۱)

''جب ہم ان ادوار اور تحریکوں میں نعت کی صورتِ حال کو دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس صنفِ ادب نے کس طرح ہماری تہذیبی اقدار کی پاس داری کی ہے اور ہمارے ادبی شعور کو کس طرح اپنی بنیادوں سے ہم آہنگ رکھا ہے۔ ادب و نقد کی یہ وہ جہت ہے جو کسی تہذیب اور اس کے مظاہر کو آئندہ زمانوں میں لے کر چلتی ہے اور نئی نسلوں کو اُن کی وراثت منتقل کرتی ہے۔'' (اردو نعت اور چند ادبی تحریکیں، ص ۱۳)

صبیح کی نقد آثار مختصر تحریروں میں وہ متعدد فلیپ اور دیباچے بھی شامل ہیں جو انہوں نے معاصر ہم کاروں، حمد و نعت کے مجموعوں اور تنقیدی کتابوں کے بارے میں لکھے ہیں ان آرا و تاثرات کی جمع آوری ہو سکے تو ان کا بہ حیثیتِ مجموعی جائزہ بھی صبیح کے تنقیدی شعور کے مطالعے میں معاون ہو گا۔ مثلاً بعض فلیپ مختصر تحریروں پر مشتمل ہونے کے باوجود صبیح کے ان نمایاں افکار کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ علمی و ادبی سطح پر نعتیہ

ادب کی تفہیم کے لیے اس کے تنقیدی ڈسکورس پر زور دیتے ہیں ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جو نقدِ نعت کے منہج کی تشکیل کا ذریعہ بنے، انھوں نے نعتیہ تنقیدات میں ادبی و شرعی دونوں جہات کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ نعت گو شعرا کے لہجے اور اسلوب کی داد وہ اس بنیاد پر دیتے ہیں کہ یہ خصوصیات احترامِ بارگاہِ رسالت کی نزاکتوں اور طہارتوں کے احساس سے عبارت ہوں، تنقید کی مروجہ اصطلاحوں کی مدد سے جن نقادوں نے سرمایۂ نعت کو پرکھنے اور جدید اسالیبِ نعت کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے صبیح نے ان کو سراہا ہے اور مطالعاتِ نعت میں ادب کے مغربی دریچوں سے آنے والی روشنی سے جائز حد تک استفادے کی قدر کی ہے۔ صرف چند کتابوں کے فلیپ سے کچھ جملے ذیل میں درج کیے جارہے ہیں جن سے صبیح کے مندرجہ بالا افکار کی بنیاد بننے والے تنقیدی شعور اور لاشعور کی عکاسی ہوتی ہے:

> ''نعت میرا عشق ہے سو اس حوالے سے کچھ نہ کچھ جاننے اور سمجھنے کی طالب علمانہ پیاس نے مجھے ہمیشہ متحرک و سرگرداں رکھا ہے۔''

(فلیپ: اصولِ نعت گوئی، حلیم حاذق)

> ''نعت کے کسی بھی مجموعے کا مطالعہ میرے لیے صرف ایک صنف کا مطالعہ نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک پُرکیف سرشاری اور معراجِ روحانی کا وسیلہ بن جاتا ہے اور اگر یہ مجموعہ ایسے کسی باکمال شاعر کا ہو جو عصری شعری منظرنامے پر شاعری کی مروجہ یکسانیت اور بے ہنگم شور سے خود کو بچاتے ہوئے اپنے شاعرانہ وفور اور تخلیقی شعور کو ایک بھرپور سلیقے اور توازن کے ساتھ بامعنی بنانے میں کامیاب رہا ہو تو مطالعے کی لذت یقیناً کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔''

(فلیپ: عطرِ خیال، شبنم رومانی)

> ''جہاں تک فن کا معاملہ ہے تو مجھے جناب آفتاب کریمی کی شخصیت اور کلام

میں وہ فرق کہیں نظر نہیں آیا جو فن اور فنکار کے درمیان پردہ بن جاتا ہے۔''
(فلیپ: آنکھ بنی کشکول، آفتاب کریمی)

''نعت گو شعرا کی مقبولیت میں روحانی اسباب کا بہت دخل ہوتا ہے۔
نعتوں میں لفظ و بیان کا حسن اگر جذبے کی سچائی کے ساتھ جلوہ گر ہو تو اس
کی پذیرائی ادبی سطح پر بھی ہوتی ہے اور اس حلقے میں بھی جہاں ذوق و شوق
کی فراوانی اور عشق کی جولانی کا تموج روحانی طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔''

(فلیپ، زبورِ حرم، اقبال عظیم)

صبیح رحمانی کے تنقیدی میلانات کا ایک اظہار 'نعت رنگ' کے اداریوں میں ہُوا ہے کسی رسالوں کے اداریوں میں تنقید کی کیا گنجائش ہے اور اس پر کیسے بات ہو سکتی ہے؟ یہ بات عام لوگوں، تدریسی ذہنوں کے مالک اساتذہ اور نصابی ناقدوں کے نزدیک شاید اہم نہ ہو، لیکن نعت کی صنف سے گہری دلچسپی رکھنے والے یا 'مبتلائے نعت' بلکہ شیدائے نعت ثنا کاروں کے لیے ایک کار آمد سعی ہو سکتی ہے ـــــ یہ مضمون ایسی ہی ایک کوشش ہے جس میں نعت رنگ کے پہلے سے اکتیسویں شمارے تک کے اداریوں میں اُن تنقیدی جملوں، اشاروں، فقروں اور ایسی نقد آثار تجاویز کی جمع آوری کی جا رہی ہے جو توجہ طلب ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے ان متفرق اور منتشر عناصر کو ادارتی تنقید Editorical Critism سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ادارتی تنقید سے مراد بعض ایسے فقرے جن پر ذرا سے غور و فکر کے بعد نعت کی پرکھ پر چول، تنقید، تجزیہ، جائزہ اور مطالعہ کا کوئی ایسا پہلو نکل سکتا ہے جو نعتیہ تنقید کے بارے میں کسی مفید مطلب کام (مضمون) کی بنیاد بن سکے۔

یہ بات واضح رہے کہ ایسے ادارتی تنقیدی اشارات کسی باقاعدہ سوچ بچار کا نتیجہ نہیں ہوتے کسی مضمون، میلان، شخص، کتاب یا رویّے کے بارے میں چلتے چلتے کسی اشارے یا جملے پر مشتمل ہوتے ہیں مگر ذرا سی کوشش سے اِن پر باقاعدہ ایک

تنقیدی بیانیہ، مضمون یا مقالہ تیار ہوسکتا ہے۔

ادارتی تنقید ایک نسبتاً نامانوس اصطلاح ہے مگر ہمارے ادب میں اس کا وجود ڈیڑھ پونے دوسو سال سے ہے یوں سمجھیے کہ اردو ادب کے اوّلین رسالے، جریدے، صحیفے کے پہلے اداریے سے ___ جب سے ہمارے ہاں ادبی صحافت شروع ہوئی یا ادبی رسائل و جرائد کی ترتیب و اشاعت کا آغاز ہُوا۔ مدیروں کی طرف سے لکھے گئے 'اداریوں' ___ 'پیش الفاظ' ___ 'اِس شمارے میں' ___ جیسے بیانیوں میں ادارتی تنقید کے اوّلین نقوش تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ادبی جریدے یا رسالے کی روائت جتنی مستحکم، باقاعدہ، مربوط اور قوی ہوگی اس کی ادارتی تنقید کا اثاثہ اتنا واضح، موثر اور جان دار ہو گا۔ جریدے کے مرتب Compiler، مدیر اور رابطہ کار کی شخصیت ادارتی تنقید کے پس منظر میں فعّال کردار ادا کرتی ہے کوئی بھی جریدہ اپنے ادارتی بیانیوں میں کتنا تنقیدی سرمایہ سمیٹے ہوئے ہے؟ اور اس تنقیدی سرمائے کا پایہ کیا ہے؟ اس کا تعلق اور دارومدار اس رسالے کے مدیر کی تنقیدی اپج، مہارت اور صلاحیتوں کے تنوع پر ہوتا ہے یک موضوعاتی جرائد میں مدیر کی ذمہ داری کی نوعیت کچھ اور انداز کی ہو جاتی ہے مثلاً 'نعت رنگ' جیسے جریدے جن کا سارا ارتقائی سفر ایک ہی موضوع یا صنف کے حوالے سے ہے جس طرح ایک پودا بیج سے نکل کر درخت بننے کے عمل سے مرحلہ بہ مرحلہ گزرتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی شاخیں، برگ و بار کی خاص شکل وصورت اختیار کرتی چلی جاتی ہیں اسی طرح ایک رجحان ساز آغاز کا امین جریدہ بھی مائل بہ مرکز رہتے ہوئے اپنا ارتقائی سفر جاری رکھتا ہے۔ اُس کے مدیر کی کوشش پہلے سے بہتر اور خوب سے خوب تر کی تلاش کے لیے ہوتی ہے۔

ہر جریدے کی روایت شمارہ بہ شمارہ اور سال بہ سال اپنے سفر کے مختلف مرحلوں سے گزرتی ہوئی کئی عشروں کے بعد ایک مستحکم روائت کا درجہ حاصل کرتی ہے یہ روایت اس کی شکل وصورت، جسامت، انداز طباعت، سرورق وغیرہ کے ظاہری محاسن کے

ساتھ اِس جریدے کی اندرونی ترتیب، مندرجات کی نوعیت سے قارئین کے خطوط تک کی پیشکش پر مشتمل ہوتی ہے اسی طرح ہر جریدہ کا ادارتی اسلوب وقت کے ساتھ ساتھ اپنا چہرہ مہرہ اور طرزِ طباعت و پیشکش کا انداز واضح کرتا چلا جاتا ہے۔عشروں کے بعد اِس کی ادارتی تنقید کا انداز بھی ایک خاص اسلوب کا حامل ہو جاتا ہے۔

'ادارتی تنقیدی اشارے' وہ مختصر نقد ساماں جملے ہیں جو مدیرانِ جرائد اپنے رسالے کے مندرجات، مصنّفین (مقالہ نگار اور مضمون نگار وغیرہ) یا اپنے ادارتی بیانیوں میں دوسرے معروضات کے ساتھ بغیر کسی لمبی چوڑی اور طے شدہ منصوبہ بندی کے، چلتے چلتے لکھ دیتے ہیں اکثر اوقات لکھتے وقت خود اُن پر اِن تنقیدی جملوں یا اشاروں کی معنویت پوری طرح واضح نہیں ہوتی انہیں علم نہیں ہوتا کہ بعد میں وہ جملے کسی قاری پر اپنی معنویت کس طرح آشکار کریں گے؟ اُن جملوں سے کبھی کبھار پورے تنقیدی بیانیے کی گنجائش نکل آتی ہے ___ ایسے جملے اداریوں کے علاوہ عام تحریروں میں بھی کبھی کبھار مل جاتے ہیں۔

ہماری تنقید میں ایک جملہ ___Style is the man him self اسلوب خود آدمی ہے اکثر ملتا ہے۔جس کا مفہوم ہے کہ آدمی جو کام بھی کرتا ہے اس کے اندر اس کے اپنے رویّے، میلان، شخصیت کا انداز، طبیعت کا رجحان وغیرہ جھلکتا ہے یعنی وہ اپنے اسلوب میں، طریق کار اور طرزِ عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ معروف ضرب المثل نما فقرے "Le Style est l'Homme Meme" کا ترجمہ ہے جسے فرانسیسی ڈاکٹر بوفان, Georges Leclerc, Comte De Buffon (۱۷۰۷-۱۷۸۸) نے پہلی بار استعمال کیا اور جس کا مطلب یہ ہے آدمی جس بھی اسلوب میں بات کرتا ہے اس میں اس کے اپنے کرداری تخصصات جھلکتے ہیں۔

یہ فقرہ اُس نے مینڈک (Frog) پر میں لکھی گئی ایک تحریر میں استعمال کیا ہے۔ دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں اسلوب (Style) پر لکھی ہوئی قریباً ہر کتاب میں یہ جملہ

دہرایا جاتا ہے اردو تنقید کی بیسویں کتابوں اور سینکڑوں مضامین و مقالات میں اس فقرے کی معنویت پر مختلف حوالوں سے بحث ہوئی ہے اور اب تک ہو رہی ہے، اِس نشاندہی سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات غیر ادبی تحریروں میں بھی ایسی جملے مل جاتے ہیں جو ادبی بیانیوں میں بڑے بڑے مضامین کی بنیاد بن جاتے ہیں یہ ــــ اور اس طرح کے اور بیسوں جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ تنقید صرف تنقید کی کتابوں ہی میں نہیں غیر تنقیدی تحریروں، کتابوں اور بیانیوں میں بھی ہوتی ہے۔

'نعت رنگ' کے ادارتی تنقیدی اشاروں یا جملوں پر لکھی جانے والی یہ تحریر ایسی ہی ایک کوشش ہے جس میں نعت رنگ کے گزشتہ اکتیس شماروں کے اداریوں میں ملنے والے ایسے جملوں کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے جو اداریہ نگار (صبیح رحمانی) کے قلم سے بے ساختہ نکلے مگر جو اپنی نقد سامانی کے سبب نہ صرف قابل توجہ ہیں بلکہ ذرا سے مزید توجہ اور غور وفکر سے ایک جداگانہ تنقیدی مضمون یا مقالے کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ راقم کی اس تحریر کے قاری یہ سوال کر سکتے ہیں کہ ریت میں سونے کے ذرّوں کو تلاش کرنے کی اِس ''نیاریوں'' جیسی کوشش کا مقصد کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے ہاں نعتیہ تنقید اتنی کم ہے کہ اس کی جمع آوری جس قدر ہو سکے احتیاط اور لگن سے کی جانے چاہیے یوں ''اردو نثر میں نعتیہ تنقید کے عناصر'' کے عنوان کے موضوع پر ایک مستقل مطالعاتی میلان رواج پا سکتا ہے۔ جس کا مقصد اردوئے قدیم کے تذکروں سے اردو نثر کی مختلف کتابوں، تحریروں، مضمونوں، رسائل کے اداریوں وغیرہ سے ایسے تنقیدی اشارے اور وہ جملے تلاش کرنے کی کوشش کرنا ہو جو نعت کی صنف، نعت نگاروں، نعتیہ کتب و رسائل اور نعتیہ اخبار و مباحث سے متعلق ہوں۔ صبیح رحمانی کی ادارت میں شائع ہونے والے 'نعت رنگ' کی اب تک کی اکتیس اشاعتوں کے اداریوں کا یہ مطالعہ ایک ایسی ہی کوشش ہے (واضح رہے کہ اس میں وہ اداریے شامل نہیں جو مہمان مدیران کے طور پر دوسرے اہل قلم نے لکھے)

تنقید کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی تلاش میں جتنی مرضی دُور نکل جائیں اور اس کی قسموں اور دبستانوں کا جس بھی حوالے سے تجزیہ کریں ان مطالعات کا خلاصہ یہ ہے کہ تنقید بنیادی طور پر ایک 'رائے' ہے کسی ادبی فن پارے کے بارے میں کسی ایک وصف یا نقص کی نشاندہی ___ پرکھ، تخمینہ، حیثیت اس فن پارے کی قدر و قیمت، اس کی اہمیت وغیرہ کے بارے میں ایک رائے ___ سب سے پہلا ناقد خود فنکار ہوتا ہے سکاٹ جیمز (Scott James) اپنی کتاب The Making of Literature کے آغاز ہی میں تخلیقِ ادب کرنے والے یعنی مصنف ہی کو پہلا ناقد کہا ہے کہ وہ اپنے فن پارے کی تخلیق اور اسے مکمل کرنے کے بعد بھی اس کے متن میں مناسب کاٹ چھانٹ کرتا رہتا ہے۔ ارنسٹ ہیمنگوے (Ernest Hemingway) کے ناول بوڑھا اور سمندر (The Old Man and the Sea) کے آخری صفحے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے (۵۰ سے زائد مرتبہ) اس میں ترمیم کیں۔ بعض اوقات پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد بھی مصنف اپنی تخلیقات میں ردّ و بدل کرتا رہتا ہے ___ اسی طرح انگریزی نظموں کا ایک انتخاب Poems in the Making زمانہ طالب علمی میں نظر سے گزرا تھا جن میں بعض انگریزی شاعروں (کیٹس، ورڈز ورتھ، کالرج وغیرہ) کی نظموں کے اصل متن اور ان میں بعدِ تخلیق شاعروں کی اپنی کی گئی ترامیم اور اصل مسودوں کا عکس دیا گیا تھا۔ معروف شاعر ٹی ایس ایلیٹ (T.S.ELIOT) کی نظم ویسٹ لینڈ (The Waste Land) کو بھی اس کے ابتدائی مسودے اور ترمیم شدہ متن کے ساتھ شائع کیا گیا ہے واضح رہے کہ ایلیٹ نے یہ نظم نظرِ ثانی کے لیے ایذرا پاونڈ (Ezra Pound) کو بھیجی تھی جس نے اس کا پون سے زیادہ حصہ حذف کر دیا تھا۔ اب اس نظم کا اصل اور ترمیم شدہ چھپ چکا ہے۔ شاعروں کے لیے ایلیٹ کی نظم اور ایذرا پاؤنڈ کی ترامیم کا مطالعہ دلچسپ اور کارآمد ہے۔

خود تنقیدی کے بعد اصلاح شدہ متن کم و بیش تمام شاعروں کے ہاں ملتے ہیں۔

علامہ اقبال کے مختلف ایڈیشنوں میں کی جانے والی ترمیم کا گوشوارہ معروف اقبال شناس ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے پی ایچ ڈی کے مقالہ ''تصانیف اقبال کا تحقیقی اور توضیحی مطالعہ'' (۱۹۸۱ء) میں دیکھا جا سکتا ہے جسے اقبال اکادمی پاکستان نے شائع کیا۔ علامہ اقبال کا خود حذف کردہ کلام بھی کم و بیش ان کے اردو کلیات کے برابر ہے۔ کلیاتِ باقیاتِ شعر اقبال کو ڈاکٹر صابر کلوروی نے مرتب کیا اس کی طباعت بھی اقبال اکادمی پاکستان سے ہوئی۔

اس طویل تمہید کا مطلب پہلے ناقد کی اہمیت کی نشاندہی ہے وہ جتنا اہم، ماہر، فن شناس اور پختہ ہوگا اس کا فن پارہ اتنا ہی حشو و زوائد سے پاک ہوگا کسی فن پارے کا دوسرا 'اوّلین ناقد' اشاعت سے قبل مدیر (ناشر) ہوتا ہے بعض مستند اور اہم اشاعتی ادارے اشاعت کے لیے ملنے والی کتابوں کے بارے میں پہلے اس فن کے کسی ماہر سے مشورہ طلب کرتے ہیں اسی طرح ایک ذمہ دار مدیر بھی کسی تحریر کو شائع کرنے سے پہلے ایک نظر دیکھتا ہے فی زمانہ ایسے مدیر خال خال ہوں گے جو ملنے والی نگارشات کو مدیرانہ تنقیدی عمل سے گزارتے ہوں گے لیکن گزشتہ صدی میں نیاز فتحپوری (مدیر نگار) شاہد احمد دہلوی (مدیر ساقی) ابوالکلام آزاد (مدیر الہلال) حسرت موہانی (مدیر اردوئے معلٰی) احمد ندیم قاسمی (مدیر فنون) وغیرہ ایسی اہم ادبی شخصیات تھیں جو ملنے والی تحریروں کو بغور دیکھتیں اور اُن کے سیاسی، مذہبی، ادبی اور فنی پہلوؤں کے بارے میں اگر انہیں کوئی مسئلہ وضاحت طلب لگتا تو اشاعت سے قبل وہ اُس بارے مصنف سے گفت و شنید کر لیتی تھیں۔ زبانی، فون یا خط و کتابت کے ذریعے ___ اکثر اوقات مدیر کی نشاندہی سے مصنّفین کی تحریروں میں نکھار آ جاتا بعض اوقات کسی مضمون یا افسانے کے عنوان یا متن میں ایک دو فقروں کی کمی بیشی سے تحریر 'فسادِ خلق' اور سیاسی پکڑ جکڑ سے بچ جاتی ___ ایسی کئی مثالیں ہر کسی لکھنے والے اور مدیر دونوں کے ذہن میں ہوں گی _ ایسی نشاندہی مدیرانہ معمولات کا حصہ ہے آج کل ٹیلی ویژن کے کئی پروگراموں میں

(دفع کنندہ ادعایا مسولیت Disclaimer) کا اعلان نامہ ایسی ہی سیاسی اور مذہبی پکڑ جکڑ سے بچنے کے لیے ہوتا ہے۔

بحیثیت مدیر 'نعت رنگ' صبیح رحمانی کو بہت سے مسائل سے گزرنا پڑا ہے (اور پڑ رہا ہے) گزشتہ تیس سال کی ادارتی ذمہ داری میں نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی صنف کو ادبی حلقوں میں باضابطہ طور پر تنقید آشنا کرانا معمولی کام نہ تھا۔ اہلِ قلم اور ارباب فکر و دانش کے سینکڑوں مختلف قسم کے ذہنی، میلانوں، طبقوں، مزاجوں، مسلکوں، ذہنی استطاعت کے حامل لوگوں کو ایک ایسے قابل قبول تنقیدی ماحول کا حصہ بنانا جس میں اس صنف کے مختلف امور و مسائل پر شائستگی سے گفتگو ہو سکے بہت مشکل کام تھا جس سے صبیح رحمانی بخیر و خوبی عہدہ برا ہوئے۔

'نعت رنگ' کی اشاعت سے قبل بھی ادبی اور مذہبی رسائل میں نعت کے بارے میں گاہ گاہے تحریریں شائع ہوتی تھیں۔ مگر وہ زیادہ تر تحسینی نوعیت کی ہوتی تھیں صبیح جس مشن کو لے کر نعت رنگ کی اشاعت کا اہتمام کر رہے تھے وہ اردو رسائل و جرائد میں ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔ نعت جیسا نازک موضوع جس کے لکھنے میں ہم شاعر لوگوں سے خود کئی بے اعتدالیاں ہو جاتی ہیں ہم قافیہ شکار خود شکارِ قافیہ ہو کر کبھی کبھار کوئی ایسا شعر بھی لکھ جاتا ہے جو محلّ نظر ہی نہیں قابلِ گرفت اور کفر و شرک کی حدوں سے جا ملتا ہے۔ نعت کا فن ہم سے جس احتیاط کا تقاضا کرتا ہے کبھی کبھار ہم اس سے غافل ہو جاتے ہیں یوں نعت کے مضامین و موضوعات کی نزاکت ____ اور پھر ان کے اظہار و بیان میں اہتمام و سلیقہ کا لحاظ اور احتیاط برقرار نہ رکھنے کے سبب کئی مسئلے کھڑے ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں بقول عرفی

؎ عرفی، متشاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست
ہشیار! کہ رہ بردم تیغ است قدم را

نعت میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے یہ تلوار کی دھار پر چلنے کی طرح

ہے۔(مفہوم)

نعت پر تنقیدی جائزے، پرکھ پرچول، چھان پھٹک اور تجزیاتی عمل ___ کی کوئی باقاعدہ مستقل روایت پہلے نہیں تھی نعت رنگ کے پلیٹ فارم سے اب پہلی بار بننے جا رہی تھی ___ غرض صبیح کو آغازِ کار میں کئی طرح کے اندیشے اور خطرات لاحق تھے خصوصاً علمائے کرام کی طرف سے جن میں ایک طبقہ بہر حال ہر دَور میں ایسا ہوتا ہے جو صحیح بات پر بھی اپنے ردّعمل کا اظہار فتنہ آمیز اور فساد آمادہ لب ولہجہ سے کرتا ہے۔ صبیح کا تعلق اور نعت رنگ کے واسطے سے ان کی کارکردگی کا دائرہ interaction ڈیڑھ دوسو افراد کے ساتھ رہا اب تک کے شائع شدہ شماروں میں لکھنے والوں کی تعداد کم وبیش یہی رہی ہے مختلف طبیعتوں کے اہلِ قلم اور مختلف مسلکوں سے تعلق رکھتے افراد کو ایک شائستہ مکالمے کی سطح پر متوازن رکھنے کے لیے صبیح کیسے کیسے تجربوں سے گزرے ہوں گے؟ اس کا بہت کم لوگوں کو علم ہوگا۔ سیاہی چوس (بلاٹنگ پیپر) جس طرح زائد روشنائی کو سمیٹنے میں خود دھبے دار اور داغدار ہو جاتا ہے کچھ ایسا ہی حال مدیر کا ہوتا ہے چھوٹے اور نئے ادیبوں کو مشورہ دینا ___ بڑے اور سینئر ادیبوں کو شائستگی سے کسی مسئلہ پر ہم خیال بنانا یا انہیں اپنا لب ولہجہ متوازن رکھنے کے لیے آمادہ کرنا ان سے بعض مسائل پر رائے طلب کرنا بعض اوقات تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ مگر صبیح نقدِ نعت کا بیانیہ استوار کرنے میں ان تمام مراحل سے گزرے

'نعت رنگ' کے پہلے شمارے (اپریل ۱۹۹۵ء) سے ادارتی تنقیدی اشاروں کو ایک نظر دیکھتے ہیں اب قریباً ربع صدی بعد اس کا تجزیاتی مطالعہ کریں تو خوشگوار حیرت ہوتی ہے پہلا فقرہ ہے

> ''نعت رنگ'' پیش خدمت ہے۔ فروغِ نعت کے اس عہد زریں میں یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں۔ لیکن نعت نگاری کی طرف رجوع عام کے اس اہم دور میں نعت کو رطب ویابس اور شعراء کے غیر محتاط رویوں سے محفوظ رکھنے

کی پہلی سنجیدہ اور با قاعدہ کوشش ضرور ہے۔(شمارہ ۱، ۱۹۹۵ء)

یہ فقرہ ایک طرح سے ’نعت رنگ‘ کا منشور ہے __ اس کی اشاعت کا جواز __ جس کا اظہار عجز سے ہُوا انکسار اور وضع داری سے __ کہ یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں لیکن یہ آغاز پوری نعت کی تنقیدی تاریخ میں ایک منفرد کارنامہ بن گیا۔شمارہ بہ شمارہ روز افزوں ترقی اور اپنے بنیادی منشور کی طرف گامزن __ ’نعت رنگ‘ کا آغاز جن دنوں ہُوا اس سے کچھ عرصہ قبل صبیح رحمانی فیصل آباد سے ہو کر گئے تھے (اور شاید لاہور سے بھی) وہ جہاں جاتے ایسے رسالے کے اجرا کی ضرورت کی بات کرتے سب یہ محسوس کرتے تھے حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی اور راقم سمیت سب اُن کے ہم خیال تھے۔تقدیسی اصناف کو ادبیات عالیہ کے تنقیدی تناظرات میں پرکھنے سے ہی ان کے تخلیقی، شعری اور فنّی (Creative, Poetic,Artistsic) معیارات اور اُن کی اعتباری قدر و قیمت کا تعین ہوسکتا تھا مگر انتہا پسندی کے ماحول میں کسی مذہبی مسئلہ، صنف بلکہ رویّہ تک کو زیرِ نقد لانا کتنے خطرات کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

کیا نعت پر تنقید ہوسکتی ہے؟

نعت پر تنقید کیوں کی جائے؟

آج سے ۳۰ سال پہلے نہیں بلکہ اکثر لوگوں کے نزدیک آج بھی اس کا احتمال اور خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کسی نعت پارے کا تنقیدی جائزہ گناہ نہیں تو ایک ناپسندیدہ جسارت اور مذہبی مسلّمات کے خلاف ہے __ ان خدشات و خطرات میں ’نعت رنگ‘ نے ایک ایسے کام کا آغاز کیا صبیح رحمانی نیک نیت تھے اور اُن کے ارادے میں اخلاص تھا سو نعت کو شائستگی سے زیرِ تجزیہ لانے کی روایت کو ایک با قاعدہ رُخ ملا۔ یوں صبیح رحمانی کے اوّلین اداریے کے لفظوں میں نعت کو رطب و یابس اور شعراء کے غیر محتاط رویّوں سے محفوظ رکھنے کی پہلی سنجیدہ اور با قاعدہ کوشش ’نعت رنگ‘ کی صورت میں سامنے آئی۔

الحمدللہ شمارہ بہ شمارہ صبیح کی کوششوں اور تاکید وتوجہ سے نعت کاروں کا ایک سنجیدہ اور ذمہ دار حلقہ جمع ہوگیا جنھوں نے 'نعت رنگ' کے اوّلین اداریے کی منشوری اہمیت اور ضرورت کو محسوس کیا اور ذاتی تعصّبات و تاثرات اور مسلکی تفرقات سے بالا ہوکر صنفِ نعت کو ادبی معیارات کی روشنی میں جانچنے، پرکھنے اور جائزہ لینے یعنی تنقید کو وہ شکل دی جو نہ صرف آج 'نعت رنگ' میں نظر آرہی ہے بلکہ جس کی طرز پر پاکستان اور بھارت میں ایسے کئی اور چھوٹے بڑے جرائد بھی شائع ہورہے ہیں۔

'نعت رنگ' کی بحیثیت مجموعی کارکردگی پر ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کئی مقالے ہوچکے ہیں اور ہورہے ہیں __ مثلاً

۱۔ حلیمہ بی بی (مقالہ نگار): ''نعتیہ شاعری کے فروغ میں جریدہ ''نعت رنگ'' کی خدمات'' (ایم فل)، ڈاکٹر سفیان صفی (نگرانِ مقالہ) ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

۲۔ عثمان یوسف (مقالہ نگار): ''نعت رنگ کا توضیحی اشاریہ'' (ایم فل) ڈاکٹر محمد یار گوندل (نگرانِ مقالہ)، سرگودھا یونیورسٹی، پنجاب

۳۔ اقصیٰ سلطانہ (مقالہ نگار): ''مجلّہ نعت رنگ کے تنقیدی مباحث کا مطالعہ'' (ایم فل) ڈاکٹر محمد یار گوندل (نگرانِ مقالہ)، سرگودھا یونیورسٹی، پنجاب

۴۔ مصباح فردوس نیازی: ''اردو نعتیہ ادب کے فروغ میں رسالہ نعت رنگ کا کردار'' (ایم فل) ڈاکٹر مسرور احمد زئی (نگرانِ مقالہ)، ایسٹ یونیورسٹی، حیدرآباد سندھ

۵۔ تہمینہ مرتضیٰ (مقالہ نگار): ''نعت رنگ کے اداریوں کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ'' (ایم فل) ڈاکٹر طیبہ نگہت (نگرانِ مقالہ)، جی سی وویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

نقدِ نعت کے باب میں یہ ایک گراں قدر پیشِ رفت ہے صبیح اس حوالے سے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے جس کام کا آغاز کیا وہ اُن کی آنکھوں کے سامنے آج ایک باقاعدہ روایت کے طور پر تشکیل پذیر ہے اور جسے معاصر اکابرینِ ادب و نعت

کی تائید بھی حاصل ہے۔ 'نعت رنگ' کے ارجمند آغاز نے کم وبیش ہر اہلِ قلم کی توجہ حاصل کی اور پھر رفتہ رفتہ ادب وصنف سے وابستہ کئی اہم شخصیات اور افراد سنجید گی سے 'نعت رنگ' میں لکھنے والے مصنّفین میں شامل ہو گئے۔ اب تک شائع ہونے والے نعت رنگ کے شماروں کے مندرجات پر اگر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ معاصر ادب کی کم وبیش اکثر ادبی شخصیات اور اہلِ قلم اس سے منسلک رہے ہیں مثلاً وہ ناقدین، مضامین ومقالات نگار اور شعرائے کرام اور دیگر ادبی شخصیات جو نعت رنگ کے ذریعے نمایاں ہوئی اور اِس سے وابستہ رہی یا جن کا علمی وادبی اور تحقیقی او تنقیدی تخصص 'نعت رنگ' سے وابستہ ہُوا۔ درج ذیل ہیں:

۱۔ ناقدین کے اسماء ۲۔ شعراء

۳۔ مکتوب نگار ۴۔ دیگر ادبی شخصیات وغیرہ وغیرہ

یہ فہرست طویل ہو کر سینکڑوں اہلِ قلم کی تعداد تک پہنچ سکتی ہیں۔ ان سب حضرات کی کوششوں سے نعت کی تحقیق، تنقید، تخلیق، کلاسیکی اور معاصر نعتیہ آثار، کتب، شخصیات، ناقدین، شعرائے کرام کے فکر وفن پر تبصرہ وتاثرات کی صورت میں ہزاروں صفحات پر مشتمل تخلیق ونقدِ نعت کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو صنفِ نعت کی روایت اور تاریخ میں ایک رجحان ساز اور تاریخ ساز حیثیت کا حامل ہے۔ 'نعت رنگ' کے اکتیس شماروں کے عقب میں 'نعت رنگ' کے نعت کاروں کی محنت، توجہ اور اجتماعی کارکردگی نے اردو اصنافِ سخن میں نعت کو ایک جداگانہ اعتبار، منفرد مقام اور علاحدہ شناخت عطا کرنے میں جو اہم کردار ادا کیا اس کی جھلک آج پاکستان اور بھارت میں ہونے والے تحقیقی وتنقیدی کاموں میں تو نظر آتی ہے، مستقبل میں کیے جانے والے کاموں میں بھی 'نعت رنگ' کا نام ایک یقینی حوالے کے طور پر لیا جانا ناگزیر ہو گیا ہے اگر 'نعت رنگ' کی اس ساری مساعیِ جمیلہ کو ایک فقرہ میں سمیٹا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ 'نعت رنگ' نے نعت کی تنقیدی نہج کو نہ صرف استوار کیا بلکہ اسے ایک باقاعدہ روایت کی صورت دی۔

واضح رہے کہ 'نہج' کے لغوی مفہوم میں روشنی اور کشادگی کے تاثرات بھی شامل ہیں۔ 'لغت نامہ دہخدا' نے نہج کا مطلب 'راہِ روشن و کشادہ'___ 'آنندراج' نے طریقِ واضح اور 'اقرب الموارد' نے راہِ فراخ لکھا ہے اگر اس لفظ کا مفہوم ذرا اور باریکی سے دیکھا جائے تو 'مہذب الاسما'، 'دستورالاخُوان' اور 'غیاث اللغات' وغیرہ میں اس مفہوم میں ہمیں 'راہِ راست ودراہِ پیدا وراہِ کشادہ ہویدا کردن، راہ واضح ونمایاں کردن، راہ ظاہر وواضح کردن راہے وکارے را' کے مفاہیم بھی مل جاتے ہیں۔

حسنِ اتفاق سے 'نعت رنگ' کی تنقیدی سعی میں شعوری طور پر ایسی کوششیں شامل ہوگئی ہیں جن کے نتیجے میں تنقیدِ نعت کے راستے فراخ اور روشن بھی ہوئے نقدِ نعت میں تازہ کاری بھی پیدا ہوئی اور اُس کو ایک واضح رُخ بھی ملا یوں اب نعت کی تنقید شجرِ ممنوعہ کی تنگنا سے نکل کر ایک روشن اور کھلی شاہراہ پر گامزن ہے اور ادبی حلقوں میں یہ شعور عام ہو رہا ہے کہ دوسری اصنافِ سخن کی طرح نعت کی پرکھ بھی اعلیٰ ادبی معیارات کی روشنی میں ہونی چاہیے حصولِ ثواب کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ صنف بھی دوسری اصناف کی طرح ایک جوہر (Skill) کی متقاضی ہے۔ اس کے لیے بھی فنّی مہارت، پختہ کاری اور تجربے کی ضرورت ہے لہٰذا ہر نعت نگار کے لیے لازم ہے کہ وہ مذہبی جذبے کے ساتھ اس صنف کے فنّی تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھے آداب و احترام شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نعت کی تخلیق اور پیشکش میں فن کے تقاضوں پر بھی نظر رکھّے۔ حصولِ ثواب کے ہزار ہا پہلو ہیں نعت لکھتے ہوئے مضامینِ نعت کی تخلیق میں احترام شریعت اور اس کے اظہار میں آدابِ فن کا خیال بہت ضروری ہے۔

صبیح رحمانی کے اداریوں میں دوسرے مندرجات کے علاوہ جو نقد ساماں مواد ملتا ہے وہ تین طرح کا ہے ایک تو دو دو تین جملوں پر مشتمل تنقیدی اشارے___ دوسرے اِن جملوں سے ذرا بڑھا ہوئے نقد نما پیراگراف___ اور تیسرا پون صفحہ سے سواڈیڑھ صفحہ پر پھیلی ہوئی تنقیدی تحریریں___ جو کسی نعت کار، کتاب، میلان یا موضوع کے حوالے سے باقاعدہ

تنقیدی آرا کے ذیل میں آتی ہیں۔

غیر تنقیدی تحریروں میں تنقیدی جملے، اشارے دو طرح سے از خود دَر آتے ہیں ایک تو یہ کہ لکھنے والے کا ذہن تنقیدی ہو ــــ اُس کے رویّوں میں پرکھ پرچول کا داعیہ ہو ــــ وہ زیرِ تحریر مندرجات کا روائت آشنا ہو، چاہے وہ ثقہ بند ناقد نہ ہو لیکن اس کا تنقیدی رویہ کسی موضوع پر بات کرتے ہوئے اس کے کسی جملے سے جھلک جائے یا وہ اس موضوع پر کچھ رائے زنی بھی کرنا چاہتا ہو لیکن اس وقت اس کا موڈ تفصیل میں نہ جانے کا ہو یا کوئی دوسرے عوامل اُسے اپنی بات جلد ختم کرنے پر مجبور کر رہے ہوں اور وہ اپنی سرسری رائے دے کر یا دو چار جملے کہہ کے یا ایک آدھ صفحہ لکھ کر آگے نکل جائے ــــ ایسا کئی بار ہوتا ہے کہ کتابوں یا رسالوں کو مرتب کرتے ہوئے پیش لفظ یا اداریے میں عجلت سے کام لیا جاتا ہے ــــ ایسی تحریر کی نوعیت باقاعدہ مضمون یا روائتی مفہوم میں 'مقدّمہ' کی نہیں ہوتی۔

یہاں قاری کا عمل شروع ہوتا ہے وہ اداریے یا دیباچے کو سرسری طور پر پڑھتا ہے یا باریک بینی سے؟ ــــ اگر وہ تنقیدی جملوں کے لیے متجسس ہے یا بعض فقرے اس کے تنقیدی داعیہ کو مہمیز کرتے ہیں اور وہ کسی نقدانداز جملے سے چونک کر اُس پر غور وخوض کرتا ہے تو وہ اس میں سے تنقیدی مواد سمیٹ لیتا ہے یا سمیٹ سکتا ہے۔ یہ بات بیج اور زمین کے اندر نمُو کی صلاحیت جیسی ہے کہ وہ اِس بیج کو ایک پودے کی شکل دے سکے۔ بیج کا عمل اپنی صلاحیت کے اعتبار سے ایک بار رُوبہ عمل ہوتا ہے ذہن اپنی تخلیقی توانائی سے بدلتے ہوئے موسموں میں اِس بیج کو زیادہ بار آور بنا سکتا ہے، اگر اداریہ نگار نے سرسری طور پر کوئی بات کہی ہو یا کوئی رائے دی ہو تو اُس پر سوچ بچار اور غور وفکر کرنے والا نقد جُو اُس سے ایک مضمون آفریں مواد اخذ کر سکتا ہے اور بعض صورتوں میں ایک دنیائے معانی ــــ جیسے بعض شعروں یا مصرعوں میں ہوتا ہے۔ مرزا غالبؔ یا علامہ اقبال کے کلام میں ایسے شعر اور مصرعے موجود ہیں جو کتابوں کی تخلیق کا باعث بنے اور بن

سکتے ہیں اور علوم وفنون کی روشنی میں مستقبل میں بھی بنتے رہیں گے۔یعنی لکھنے والے نے تو بات کہہ دی اب کسی بھی وقت کوئی بھی پڑھنے والا اپنے ذہن کے مطابق اُس سے معنی کشید کر کے مضمون آفرینی سے اُس سے کئی نئے پہلو نکال سکتا ہے__ یہی وجہ ہے کہ صدیوں پہلے لکھی گئی تحریریں اپنی معنوی وسعت اور تلازماتی بہاؤ میں ہر دَور میں متجسس لوگوں کی توجہ حاصل کرتی ہیں۔

'نعت رنگ' کے اداریوں میں تنقیدی اشارات کی تلاش بھی ایسے ہی اتقافیہ عمل کا نتیجہ ہے۔اس کے پہلے شمارے میں جس بنیادی نکتہ کو اس رسالے کی بنیاد بنایا گیا تھا مقامِ اطمینان ہے کہ 'نعت رنگ' کے مدیر نے آخری شمارے تک اِس نکتہ کو ایک منشور اور میثاق کی سی ذمہ داری کے ساتھ نبھایا۔

صبیح رحمانی کی نعتیہ خدمات کا آغاز نعت گوئی اور نعت خوانی سے ہُوا۔اُس کی اوّلین وجہ شہرت بھی یہی تھی وقت کے ساتھ ساتھ اُس نے نعت کے روز افزوں شوق اور معاشرے میں اس صنف کے بتدریج پھیلاؤ کو محسوس کرتے ہوئے اپنی نعت گوئی اور نعت خوانی کی صلاحیتوں کو پوری محنت اور اپنی ہمہ پہلو قوتِ کار سے 'نعت رنگ' کی ادارتی ذمہ داریوں میں صَرف کرنے کا ارادہ کیا۔اس ارادے کا خیال کسی ایسی نیک اور مقبول ساعت میں ہُوا کہ اُس کی ادارتی خدمات فعال سے فعال تر انداز میں ظہور پذیر ہوئیں۔آج اُس کی ادارتی ذمہ داری پوری شائستگی کے ساتھ رُو بہ عمل ہے۔دنیا بھر میں جہاں کہیں نعت دوست موجود ہیں اُن سے مسلسل رابطے میں رہنا__ قدیم اور جدید نعت کاروں سے مختلف موضوعاتِ نعت پر تبادلہ خیال کا التزام اُس کے معمولات کا حصہ ہے۔'نعت رنگ' کے ہر تازہ شمارے کے لیے نگارشات کا حصول، نعت رنگ کی صوری خوبصورتی سے اُس کے مندرجات کی پیشکش تک میں جو خوش سلیقگی کارفرما نظر آتی ہے۔اس میں صبیح کی شبانہ روز کاوشوں کا عمل دخل، ہر اہلِ نعت کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور اُس کو دعا و تحسین کا مستحق بناتا ہے۔

'نعت رنگ' کے اس سارے عمل میں اس کی صلاحیتِ نقد بھی از خود ظاہر ہوئی نقاد ہونے کا اس نے کبھی دعویٰ نہیں کیا نہ اس داعیہ کا خیال وخواب کبھی اس کے ادبی عزائم میں جھانکا مگر نعت رنگ کی ادرتی ذمہ داریوں نے اس کے اندر سے یہ صلاحیت ضرور ابھاری __ نعتیہ مسائل پہ غور وفکر، نعت کے لیے ضروری مواد کی فراہمی، معاصر نعتیہ رجحانات کے پرکھ پرچول، نعتیہ میلانات کی چھان پھٹک __ نعت میں افراط و تفریط کا مسئلہ، نعت کو بین الاقوامی معیاراتِ ادب پر لانے کی خواہش، نقدِ نعت کے سفر اور روائت کے مختلف مدارج کا مطالعہ، جائزہ، تجزیہ ___ ان مسائل پہ سوچنے اور مسلسل غور کرنے سے صبیح رحمانی کے نعتیہ ذوقِ نقد کو مہمیز ملی اور نعت گوئی، نعت خوانی کی صلاحیتوں پر 'نعت رنگ' کی ادارتی ذمہ داریوں سے پیدا ہونے والے نعتیہ مضامین اُس کی توجہ کا مرکز بنتے گئے۔

''یہ صدی نعت کی صدی ہے''۔ ''یہ عہد نعت کے فروغ کا عہد ہے۔''

''نعت پر جتنا کام اس دَور میں ہو رہا ہے گزشتہ اَدوار میں نہیں ہُوا۔''

یہ فقرے رفتارِ نعت کی صرف نشاندہی نہیں کرتے اب (دوسرے شمارے کی اشاعت کے وقت) تک نعت کی صنف پر ہونے والے کام کا احاطہ بھی کرتے ہیں۔ نعت کی تخلیق، تحقیق اور تنقید کے علاوہ رسائل کے نعت نمبروں، نعتیہ انتخابات، گلدستوں، نعت کے فروغ کے حوالے سے بننے والے اداروں، انجمنوں، اکادمیوں اور مجلسوں کی روز افزوں تعداد کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں اُن تمام ذرائع اور مطبوعہ کتب ورسائل کے ناموں کی جمع آوری سے لے کر اُس رفتارِ کار کی نوعیت، فنی حیثیت اور اُس کے مقام ومرتبہ کی نشاندہی بھی کرتے ہیں ___ یہ محض تین مختصر سے فقرے نہیں ایک حقیقی صورت حال کے بارے میں ایک با اعتماد اور پُر وثوق آگاہی ہے __ با اعتماد اور پُر وثوق کے پس منظر میں صبیح کا مطالعہ، نعت کے بارے میں اُس کی معلومات کے ساتھ ریسرچ سکالرز کے لیے اس مسلسل پھیلتے کام کے جائزہ ومطالعہ کی دعوت کا اشارہ

بھی ہے۔

''اس عہد کا نعتیہ ادب اتنا ہی زندہ اور متحرک ہے جتنا کہ دوسری اصنافِ ادب ــــ آج کا نعت گو مکمل عصری آگہی رکھتا ہے۔اور کربِ ذات سے مسائلِ کائنات تک غور کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انسانیت کو دَر پیش مسائل کے حل کے لیے سیرتِ اطہرؐ کو اس بے چین اور سکون کی طالب دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے کہ یہی راستہ ہے جو نسلِ انسانی کی بقا اور فلاح کا راستہ ہے۔''

صبیح کے اِن فقروں کی روشنی میں نعت کا دوسری شعری اصناف کے تقابلی مطالعہ ہوسکتا ہے مثلاً ''گزشتہ صدی کی آخری دہائی میں اردو غزل اور اردو نعت کا جائزہ'' ــــ فکری اور فنّی محاسن کے حوالے سے ــــ نیز معاصر انسانی مسائل کے حل کے لیے اس دہائی کی غزل یا نعت کس میں زیادہ سامانِ سکینت موجود ہے؟ واضح رہے کہ یہاں غزل اور نعت کے انسانی طبائع پر اثرات کی بات ہورہی ہے اس دَور بلکہ کسی بھی دَور (دہلوی یا لکھنوی دبستان وغیرہ) میں لکھی جانے والی غزل میں نسلِ انسانی کی بقا اور فلاح کا کیا سامان ہوگا؟ یہ بتانے کی ضروری نہیں اعلیٰ پایہ کی غزل بلاشبہ انسانی ذہنوں کو بالیدگی اور ترفع کا جمالیاتی احساس فراہم کرتی ہے اور بقول احمد ندیم قاسمی

ابھی تکمیل پہ پہنچا نہیں ذہنوں کا گداز
ابھی دنیا کو ضرورت ہے غزل خوانوں کی

یہ بات تو غزل کی ہے مگر الہامی صحیفوں، پیغمبرانہ نسبتوں اور الٰہیاتی سرچشموں کے پیغامات سے پھوٹنے والی شاعری (نعت) کے انسانی طبائع پر رقّت و گداز کے اثرات کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دَور میں ہر ذہنی سطح کے قاری اور شاعر کو جس روحانی حظ، رِقّت و گداز سے آشنا کیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ــــ صبیح کے یہ فقرے سکالرز کو نعت بہ مقابلہ مختلف اصنافِ سخن کے انسانی

معاشرے پر اثرات کے مطالعہ کا موضوع فراہم کرتے ہیں۔

> ''ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہمارے نقاد ہمارے اس گراں مایہ نعتیہ سرمائے کو انتقاد کی کسوٹی پر پرکھ کر اس معنوی اور فنی پہلوؤں کو دیکھیں اور اس میں ہیئت کے تجربوں اور تازہ کاری کے رجحان کو نظر میں رکھ کر اس کی صحیح قدر و قیمت کا تعین کریں۔''

یہ فقرے نعت کے ہیئت کے تجربوں اور نادرہ کاری سے متعلق ہیں۔نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع کے لیے عشرہ بہ عشرہ نئی ہیئتیں استعمال ہو رہی ہیں اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مثنوی، غزل، رباعی، قصیدہ کی ہیئتیں زیادہ معروف رہیں۔اُس دَور سے پہلے اور کچھ بعد تک جکریوں اور ہندی راگوں میں بھی نعت کے نمونے مل جاتے ہیں بیسویں صدی میں آزاد نظم، معرّا نظم، نثم (نثری نظم)، ہائیکو وغیرہ میں نعت لکھنے کا رجحان پیدا ہُوا۔حفیظ تائب نے کوثریہ (تین ہم وزن، ہم قافیہ مصرعوں پر مشتمل صنف) کا اضافہ کیا__ نعتیہ جذبات و خیالات کے لیے اردو زبان میں استعمال ہونے والی اصناف کی روشنی میں اردو کے نعتیہ اثاثے کو دیکھنے کی ضرورت ہے اس ضمن میں ڈاکٹر افضال احمد انور کا مقالہ ایک وقیع مطالعہ فراہم کرتا ہے یہ نعتیہ ادب کا ایک مستقل موضوع ہے۔عشرہ بہ عشرہ اس موضوع کو از سرِ نو دیکھنے کی ضرورت ہے کئی صنفیں معدوم ہو رہی ہیں۔کئی نئی شعری منظر نامے میں شامل ہو رہی ہیں (رجوعی غزل وغیرہ)__ اگرچہ نئے تجربوں کو روائت کا درجہ حاصل کرنے میں وقت لگے گا لیکن نعت کے لیے استعمال ہونے والی ہیئتوں کے مسلسل تجرباتی مطالعے میں 'یک سطری نعت سے یک کتابی نعت' تک کی سینکڑوں موجود اور نئی شامل ہونے والی ہیئتوں کے تناظر میں نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع اور مضامین کا جائزہ__ تنقیدی مطالعات کے کئی نئے دَر وَا کر سکتا ہے۔

ہمارے کچھ دوستوں نے نعت رنگ کے صفحات کے ذریعہ پہلے پہل اپنی

گہری تنقیدی نظر اور ادبی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ رشید وارثی اور عزیز
احسن کے نام اس سلسلے میں بڑی وقعت رکھتے ہیں اِن کے تنقیدی خیالات
اور نتائج و آراء سے اختلاف ممکن ہے مگر انہوں نے جس تفصیلی اور مدلّل
انداز کو اپنایا ہے وہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

اِن سطور میں رشید وارثی اور عزیز احسن کے کام کی نشاندہی نا صرف اُن کی حوصلہ افزائی ہے بلکہ اس سے صبیح کی نقد شناسی کا بھی اندازہ ہوتا ہے بلاشبہ اِن دونوں حضرات کے نعتیہ مطالعات نے نعت کی تنقیدات میں خوشگوار اضافے کیے اُن کی دل جمعی اور نقدِ نعت سے وابستگی لائقِ تحسین ہے گزشتہ ربع صدی میں 'نعت رنگ' کے پلیٹ فارم سے تنقیدِ نعت کا جو کام ہُوا۔ اُس میں اِن دونوں کا بڑا حصہ ہے یوں نعت کے ذیل میں رشید وارثی کی خدمات اور عزیز احسن کی خدمات پر جداگانہ سندی مقالے لکھے جا سکتے ہیں اور بحمد للہ لکھے بھی جا رہے ہیں (مثلاً انہیں سالوں میں رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کے کیمپس سے شعبہ اردو سے رفعت ناصر نے ایم فل اردو کا ایک مقالہ بعنوان ''کلیاتِ عزیز احسن: فنّی وفکری جائزہ'' (مطبوعہ ۲۰۲۰ء) میری نگرانی میں ہُوا ہے جو نعت اکادمی فیصل آباد سے شائع بھی ہو چکا ہے۔)

''ہمارے کچھ اور نئے نقاد بھی اس طرف متوجہ ہوئے ہیں یہ نہایت خوش آئند
بات ہے لیکن اُن کی آمد سے نعت کے فکری اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کا دائرہ
وسیع ہونے کے بجائے یک لفظی رائے تک گھٹ کے رہ گیا ہے اور یہ یک
لفظی رائے شائع بھی نعت کے ایک ماہانہ رسالے میں ہوئی میرے خیال
میں یہ انداز تنقید و ادب کے شایانِ شان ہے اور نہ نعت کا تقدس ہمیں اِس
کی اجازت دیتا ہے۔ شاعر کے اسلوب، لفظی کوتاہیوں یا خیالات پر
تنقیدی رائے ضرور دیجیے لیکن سنجیدگی، متانت اور استدلال کے ساتھ۔''

اِن سطور میں نئے ناقدوں کے لیے اخلاص کے ساتھ بعض رہنمایانہ اصول

تجویز کیے گئے ہیں جو قابلِ توجہ ہیں۔

اردو نعتوں میں ہیئتی تنوع کو اہمیت دی جا رہی ہے تا کہ جدید اصناف میں مدحت گری کے خدوخال کو بہتر طور پر اجاگر کیا جا سکے ہم نعتیہ سانیٹ، واکا، ہائیکو، دوہے، نعتیہ کافیاں اور نعتیہ گیت بھی پیش کریں گے جو شعراء ان اصناف میں نعت کہتے ہیں وہ ہماری اس تحریر کو درخواست تصور کرتے ہوئے ہماری مدد کریں۔

اِن سطور کو پہلے کہی گئی بات کا اضافہ سمجھا جائے جس بات کی نشاندہی وہاں اختصار سے کی گئی اس کی یہاں کچھ وضاحت کر دی گئی ہے۔ اُن کا مجموعہ نعت ''اقراء'' اردو نعت میں ایک زندہ اضافہ تھا اور اس میں پہلی مرتبہ ہیئتی تنوع دیکھنے میں آیا تھا۔

نئے ناقدین کے لیے ایک موضوع ہے۔ ایک توجہ طلب تنقیدی موضوع جس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

ادب کی مجموعی فضا میں بھی ہم عصر تنقید کے بارے میں تخلیق کار کا رویّہ یہی رہا ہے اور وہ اِس کی پروا کیے بغیر اپنی تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے اور اپنے زمانے کی تنقید میں دلچسپی نہیں لیتا۔ تخلیق کار کی تنقید سے اِس لاتعلقی کے باوجود ادب پاروں کی پرکھ کیلیے قاری بہرحال نقاد ہی کی طرف دیکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیں کسی بھی عہد کے تخلیقی خدوخال دیکھنے کے لیے اِسی عہد کے آئینۂ تنقید کی ضرورت پڑتی ہے۔

ہر دَور میں صنفِ نعت کے محاکمے کے لیے معاصر ناقد کی ضرورت و اہمیت ہوتی ہے ماضی کے طے شدہ تنقیدی اصول وضوابط بجا ___ مگر نعت کو معاصر ادبی روّیوں، معاشرتی وسماجی حقائق، لسانی وسیاسی تناظرات میں دیکھنے کی بھی ضرورت ہے یہ کام معاصر ناقدین بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔

اگر آج ہم نعت کے ادبی، فکری اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کو رواج دینے میں کامیاب ہو گئے تو کل نعت اور نعت نگاروں کو ادب اور تاریخِ ادب میں ان کا جائز مقام مل جائے گا۔

نعتیہ تخلیقات صرف لکھی، پڑھی اور سنی جانے کے دائرہ تک محدود نہ رہیں اِن پر مثبت گفتگو اور صحت مند مکالموں کو رواج دیا جائے تا کہ اس صنف کی نشو ونما، وقار اور اعتبار کے ماحول میں ہو۔ ایسی گفتگوؤں اور مکالموں سے صنفِ نعت کے امکانات روشن ہوں گے 'مثبت' اور 'صحت مند' سے مراد ادبیاتِ عالیہ کے معیارات کے حوالے سے گفتگو اور ایسا سنجیدہ مکالمہ ہے جس میں نفسِ مضمون کو مسلک گروہ بندیوں اور تفرقہ بازیوں کی 'یلغار'، 'تکرار' اور جھگڑوں کی نذر نہ کر دیا جائے۔

مقامِ اطمینان ہے کہ آج کل افراد اور ذمہ دارانہ مسلکی اکابرین کی طرف سے نعتوں پر صحت مند گفتگو اور تنقید کی کوشش ہو رہی ہے۔

'نعت رنگ' نے نعت کی تاریخ سے آگے بڑھ کر مسائلِ نعت پر فکر کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔

یہ 'نعت رنگ اور مسائلِ نعت' ایک موضوع کی طرف اشارہ ہے کہ معاصر ادب میں نعتیہ مسائل کی نوعیت، انہیں سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش ہونی چاہیے واضح ہو کہ مسائل کا ایک پھیلتا دائرہ ہے جس میں لسانیات، عمرانیات، سماجیات، نفسیات اور جدید علوم کی روشنی میں نعت کو دَر پیش بیسوں مسائل ہیں۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ 'نعت رنگ' سے وابستہ نعت کار اور اُس کے مضمون نویسوں اور مقالہ نگاروں کی خدمات کا جائزہ لیا جائے اور نعت کے معاصر بیانیے میں اُن کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

نعت سے تعلق رکھنے والے شاعروں، ناقدوں، مضمون نگاروں، نعت خوانوں، نعت کے گلدستے مرتب کرنے والوں اور نعت کا ذوق رکھنے والوں کو قریب لانے اور رکھنے کی ہمہ جہت کوشش 'نعت رنگ' کا مشن رہی ہے صبیح کے یہ جملے دیکھیے :

کسی رسالے یا کتابی سلسلے کی کئی معیار قائم کیے جاسکتے ہیں ہمارے خیال میں اگر کسی کتابی سلسلے کے قاری، لکھنے والے اور عملۂ ادارت ایک ''برادری'' بن جائیں تو یہ کامیابی کا ایک واضح اور محکم معیار ہے۔

’نعت رنگ‘ کے مشن کو صنفِ نعت کو ادبیاتِ عالیہ کے معیار پر لانے اور برقرار رکھنے کے لیے اسے مسلسل تنقیدی عمل سے گزارنے کی ضرورت ہے نعت کی تخلیق میں ثواب اور اجر کا پہلو اپنی جگہ مگر فکری اور فنّی طور پر اسے معیاری بھی ہونا چاہیے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب زیادہ سے زیادہ نعت کار واقعی ایک حقیقی برادری کے طور پر اخلاص سے کام کریں۔ تخلیقِ نعت کے مرحلے پر فن اور احترام کو ملحوظ رکھیں۔ نقدِ نعت میں مدلّل مدّاحی اور تحسینی کلمات کے ساتھ معیاری نعت کے صنفی تقاضوں کو بھی پیشِ نظر رکھیں۔ کسی خاص مسلک سے انسلاک کے باوجود تخلیقی اور تنقیدی معیارات کا احترام کریں نعت کی تخلیق اور تنقید میں ’ادبی معیارات‘ کو گفتگو کا حوالہ بنائیں ذات برادری سے تعلقات ’تعارف‘ کے لیے ہیں اپنے ’تفاخر‘ اور دوسروں کا تمسخر اڑانے کے لیے نہیں دوسروں کے مسالک کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے نقدِ نعت کی روایت کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ’نعت رنگ‘ کے عملہ ادارت کی حلقۂ مصنّفین و قارئین کے ساتھ ایک ’برادری‘ جیسی ہم آہنگی صنفِ نعت کو واقعی ایک محکم معیار کے درجہ پر فائز رکھ سکتی ہے۔

نعت رنگ کے ایک اداریے کے یہ جملے دیکھیے:

عصرِ حاضر میں جب نعتیہ شاعری اپنے فن اور اسلوب کے اعتبار سے تخلیقی شاعری کا ایک معتبر حوالہ بن رہی ہے۔ ’نعت رنگ‘ نے فکر و تنقید اور تحقیق دونوں کو ہم رشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نئے موضوعات اور زاویوں پر مقالے اور مضامین شائع کیے ہیں جس سے غور و فکر اور بحث کے نئے دریچے کھُل رہے ہیں اور نعت کے ادبی مضامین کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے۔

اس میں نعت پر تنقیدی کاموں کے لیے نئے موضوعات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے نقدِ نعت کا یہ ایک مستقل مسئلہ اور ضرورت ہے کہ کلاسیکی شاعروں کی نعت میں ان علوم و فنون کے عناصر دریافت کیے جائیں جن سے ہم آج آشنا ہو رہے ہیں نعت کی

تخلیق میں تازہ کاری کے زاویے پیشِ نظر رہنے چائیں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ اِس مقصد کے حصول کے لیے بڑا معاون ثابت ہوسکتا ہے آپؐ نے انسانی نفسیات کے حوالے سے بعض چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے معنی خیز مضامین بیان کیے ہیں اسی طرح قرآن مجید کی آیات کی تازہ تشریحات حیرت اور دلپذیری کا جہان لیے ہوئے ہیں اِن موضوعات کو نئے علمی حوالوں کی نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔قرآن کی درج ذیل آیات دیکھیے :

☆ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کواس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں......(سورہ الرعد، آیت ۴۱)

☆ کیا منکروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین جڑے ہوئے تھے پر ہم نے انہیں جدا جدا کردیا......(سورہ الانبیاء، آیت ۳۰)

☆ اور آسمانی کائنات کوہم نے بڑی قوت کے ذریعہ سے بنایا اور یقیناً ہم (اس کائنات کو) وسعت اور پھیلاؤ دیتے جارہے ہیں۔......(سورہ الذاریات، آیت ۴۷)

معراج کے عظیم واقعے اور آیہ رتقنا (سورہ الانبیاء) اور آیہ موسعون (سورالذاریات) نے کائنات کے حوالے سے تجسس و حیرت کے کئی نئے باب کھولے ہیں جن پر کچھ نعت خوانوں نے قلم بھی اٹھایا ہے۔اِن پر غور وفکر نعت کو تخلیقی تازہ کاری سے ہم آہنگ کرسکتا ہے اسی طرح ناقدوں کے لیے بھی ضروری ہوگیا ہے کہ قدیم ومعاصر نعت نگاروں کی تخلیقات میں جدّتِ فکر اور تازہ بیانی کی نشاندہی کریں۔

صبیح نے تخلیق اور تنقید کے عمل کو 'ہم رشتہ' بنانے اور رکھنے کے لیے نئے موضوعات پر کام کرنے کی ضرورت کی نشاندہی کی ہے۔'نعت رنگ' کے اداریوں کے یہ جملے دیکھیے :

''لہجے کے ٹھہراؤ، ایک ہی مصرع میں معنوی ولغوی وقف نے ان کی شعری آواز کی تعمیر میں کیسا حصہ لیا ہے۔

شوکت عابد زمینوں کے انتخاب اور تکرار ردیف کے ہنر سے بھی آگاہ ہیں۔
اُن کے نعتیہ قطعات میں بات کے مکمل ہونے کا عجب احساس ملتا ہے، اور یہی
قطعہ نگاری کا ہنر ہے۔''

اِن جملوں پر تازگی طلب سوچ بچار اور غور تنقید کے کئی نیئے دَروَا کر سکتا ہے۔ صبیح
نے اِن جملوں میں جن شاعروں کے محاسن کی بات کی ہے اُن پر تفصیل سے کام کرنے
کی ضرورت ہے۔ یہ جملے اور اس طرح کے کئی اور نقد آور جملے تنقیدی مضامین کی بنیاد بن
سکتے ہیں۔ متعلقہ شاعروں کی نعتیہ تخلیقات پر توجہ دینے سے نا صرف اُن شاعروں کا حقِ
نقد ادا ہو گا بلکہ نعتیہ تنقید کو کئی نئی جہات مل سکتی ہیں۔

''غزل کے پیکر کو نعت گوئی کے لیے استعمال کرنے والے شعرا پر تحدید اور تنگ
دامانی کا الزام لگانے والے نقادوں کے بیشتر ممدوح شعرا غزل گو شاعر ہی ہیں۔ کیا یہ
ایک تضاد نہیں؟''

یہ ایک بڑا موضوع ہے اردو شاعری کی طرح اردو نعت کا بڑا حصہ بھی غزل کی
صنف میں تخلیق ہُوا اور ہو رہا ہے لہٰذا غزل کے علائم و رموز سے وابستہ شعری محاسن کا
نعت کی صنف میں دَر آنا فطری عمل کا حصہ ہے مرزا غالب نے آج سے قریباً ڈیڑھ
صدی پہلے کہا تھا کہ

؎ بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

نعت کے 'ذوق' کے بارے میں یہ بات غزل سے زیادہ صادق اور برحق لگتی
ہے۔ 'شوق' اور 'ذوق' کے خفیف سے معنوی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے غزل اور نعت کے
صنفی امکانات پر غور ___ مضمون آفرینی کی کئی راہیں کھول سکتا ہے غزل کے سارے
امکانات اب نعت نگاروں کے سامنے ہیں ___ بعض تضادات کس بڑے کُل کا حصہ
ہوتے ہیں اور ارتقائی عمل کو آگے بڑھانے کے لیے ناگزیر ___ صبیح نے اپنی بات کو

ایک استفہامیہ پر ختم کیا ہے اس پر ایک باقاعدہ ویوینار (ویڈیو سیمینار) کی ضرورت ہے۔ زوم Zoom کے ذریعے یا 'نعت رنگ' کے کسی گوشہ مضامین کو اِس کے لیے خاص کیا جاسکتا ہے جس میں دنیا بھر کے ناقدوں سے غزل ونعت کی ہیئتی ہم آہنگی، موضوعاتی تنوع ___ داخلی اختلافات ___ اورامکانات کے تناظر میں مضامین طلب کیے جائیں یہ وقتی موضوع نہیں ہر عشرے کے بعد نعت کے تازہ امکانات کی روشنی میں صنفِ غزل کی ضرورت واہمیت اوراس کی ہیئتی انسلاک پر گفتگو کی ضرورت ہے۔

ساتویں شمارے کے اداریے میں جن دو اہم مسائل کی طرف اداریہ نگار نے توجہ دلائی ہے ان کا تعلق حمد اور مذہبی شاعری سے ہے۔ صبیح رحمانی کہتے ہیں:

''حمدِ باری تعالیٰ کی دینی اہمیت، افادیت اور فضیلت پر بے شمار آیاتِ قرآنی و ارشادات محبوب سبحانی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے موجود ہیں جو حمد کو عبادت کا درجہ عطا کرتے ہیں۔''

''مذہبی شاعری بحثیت صنفِ سخن کچھ زیادہ درخورِ اعتنا نہیں سمجھی گئی، جس کی وجہ سے ہماری دینی شاعری ارتقائی مراحل تو طے کرتی رہی لیکن اپنے فن اور اسلوب کے اعتبار سے دیگر اصنافِ سخن کی ہم پلّہ ہوسکی اور نہ ہی اِس کی ادبی قدر و قیمت کا تعین ہوسکا۔''

اِس میں صنفِ حمد کی فضیلت اور مذہبی شاعری کے پس منظر میں رہنے کے اسباب کی بات کی گئی ہے حمد کو عبادت کے درجہ پر لانے کے لیے جس اخلاص اور انہماک کی ضرورت ہے اس کی طرف گزشتہ عشروں میں اہلِ علم کی طرف سے توجہ دلائی گئی ہے۔ مذہبی شاعری کو دوسری اصناف کے ہم پلّہ بنانے کے لیے جن خطوط پر کام کرنے کی ضرورت ہے وہ الحمدللہ 'نعت رنگ' کے پلیٹ فارم سے ہورہا ہے۔ 'نعت رنگ' کی فائل اِس کی گواہ ہے کہ مذہبی شاعری ۱۹۹۰ء سے ۲۰۲۲ء تک کن کن مراحل سے گزر کر اب باقاعدہ ادبی مطالعات کا حصہ بن رہی ہے پچھلے سالوں میں پاکستان اور بھارت کی جامعات میں ایم اے، ایم ایس، ایم فل اور پی ایچ ڈی (اردو) کے بیسویں

مقالے حمد پر لکھے جا چکے ہیں۔ صبیح رحمانی کی تصنیف ''اردو کا حمدیہ ادب __ اجمالی مطالعہ'' میں اس اثاثۂ حمد کی نشاندہی کی گئی ہے جو مطبوعہ صورت میں موجود ہے اس کے علاوہ بھی کئی حمدیہ انتخابات، گلدستے، رسائل کے نمبر اور مجموعے ہیں جن کے بارے میں معلومات کی جمع آوری کی ضرورت ہے۔ راقم کے پاس طاہر صدیقی اور مقصود احمد کے حمدیہ دیوان زیرِ مطالعہ ہیں فیصل آباد سے ساجد لطیف کے متعدد حمدیہ مجموعے زیرِ ترتیب بتائے جا رہے ہیں (یہ بہ یک وقت شائع ہوں گے) صبیح کے کتابچے کی طرح ''پاکستان اور بھارت میں حمد پر لکھے گئے مقالوں'' کے بارے میں بھی ایک فہرست مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ فیصل آباد ہی میں گزشتہ سالوں میں حافظ لدھیانوی بحیثیت حمد نگار __ 'نذرِ خدا' (حمدیہ دیوان) مظفر خیر آبادی پر کام ہُوا ہے __ راقم کی 'حمد نگاری' پر بھی ایم فل کا ایک مقالہ تکمیل ہو چکا ہے۔ 'اردو حمد و مناجات میں ہیئتی تنوع' پی ایچ ڈی مقالہ گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، فیصل آباد میں تکمیل ہو کر ڈگری یاب ہو چکا ہیں۔ اس کی مقالہ نگار رضوانہ عنائت ہیں۔

اس فہرست سے انداز ہوگا کہ مذہبی شاعری اور خصوصاً حمدیہ شاعری کے حوالے سے کام کا آغاز ہو چکا ہے انہی دنوں گورنمنٹ کالج برائے خواتین فیصل آباد سے شمائلہ رانا کو 'فیصل آباد میں مذہبی شاعری' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کے مقالے لکھنے کی منظوری دی گئی ہے __ اسی یونیورسٹی سے 'اردو نعت کا حسیاتی مطالعہ' پر سعدیہ ارشاد کا پی ایچ ڈی کا مقالہ اب مکمل ہو کر ڈگری یاب ہو چکا ہے۔ اگر ایک شہر میں چار پانچ مقالے حمد کے موضوع پر لکھے گئے اور (لکھے جا رہے) ہیں تو برّصغیر پاک و ہند کی یونیورسٹی میں اجتماعی طور پر حمد باری تعالیٰ اور مذہبی شاعری پر کام کی رفتار کیا ہوگی!۔ اس رفتارِ کار کے پس منظر میں 'نعت رنگ' کی کارکردگی اور مدیر کی محنت سے حمد و نعت کے لیے سازگار ہونے والی فضا کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

نعت رنگ کے اداریوں میں تنقیدی اشارات ۱۷، ۱۸ اور ۱۹ کا موضوع قریب

قریب ایک ہی ہے یہ اقتباسات نعت رنگ کے شمارہ ۸ اور ۹ کے اداریوں سے لیے گئے ہیں انہیں ایک نظر دیکھیے :

''اردو میں علمی، ادبی اور دینی جرائد ورسائل کی اشاعت کے مسائل سے کون واقف نہیں اور اگر رسالہ کسی خاص موضوع سے متعلق ہو تو دشواریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں کیونکہ اس رسالے سے قارئین کا تعلق وفاداری سے زیادہ وضع داری اور ضرورتاً سے زیادہ اخلاقاً ہی رہ جاتا ہے۔''

''نعتیہ مجموعوں کی اشاعت اور ان کی نکاسی ایک توجہ طلب مسئلہ ہے۔''

''ہر سال ہم میلاد النبیؐ کے موقع پر مختلف جلسوں اور محافلِ نعت کے انعقاد پر لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں اگر ان اخراجات میں سے کچھ رقم کسی نثری کتاب یا نعتیہ مجموعے کی اشاعت پر خرچ کی جائے یا کسی شائع شدہ مجموعۂ نعت کو خرید کر اپنے مہمانوں اور حاضرینِ محفل کی خدمت میں تحفتاً پیش کرنے کی روایت قائم کر لی جائے تو یہ تمام مسائل ختم ہو سکتے ہیں۔ گھر گھر میں حضور ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے تذکار اور توصیف پر مشتمل کتب کی موجودگی سے تمام اہلِ خانہ مستفید ہو سکتے ہیں اور ہمارے سیرت و نعت نگار بھی اس پذیرائی پر مزید جذبے، ولولے اور لگن سے اپنی تخلیقی صلاحیتیں اپنے کاموں پر صَرف کر سکیں گے۔ اِن عظیم الشان محافل کی یاد بھی اس تحفے کی بدولت عوام کے دلوں میں تازہ رہے گی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ نعت صرف سماع کی چیز نہیں رہے گی بلکہ اس کے مطالعہ کا ذوق بھی فروغ پائے گا۔''

ادب کو یہ مسئلہ ہمیشہ درپیش رہا ہے ؎ بے زری کھا گئی دل والوں کو

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی ادبی اور دینی کام کو رسالے یا کتاب کی صورت میں آگے بڑھانے کے لیے معقول وسائل کی ضرورت ہے خصوصاً سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اداروں اور خانقاہی سلسلوں کے تعاون کے بغیر نکلنے والے رسائل کا یہ مسئلہ ہے وطنِ عزیز میں ستر، اسی کی دہائی میں ادبی کتابوں کی تعداد اشاعت جو ہزار اور گیارہ سو کے

قریب تھی بعد کے سالوں میں پانچ سو سے ہوتی ہوئی اب دو تین سو کے قریب ہوگئی ہے ان کتابوں کا مالی فائدہ اگر کچھ ہوتا ہے تو دکاندار کو ہوتا ہے شعراء اکثر اپنی کتابیں احباب کو تحفے میں پیش کرتے ہیں حکومت کی ادھر توجہ نہیں اس کے اپنے ادارے روز بروز زبوں حالی کا شکار ہو رہے ہیں اس کا بڑا سبب قومی زبان اردو اور دوسری پاکستانی زبانوں کو سرکاری سطح پر مسلسل نظرانداز کیا جانا ہے۔

بھارت میں سرکاری زبان کے مسئلہ پر جب اسمبلی میں ووٹنگ کا مرحلہ آیا تو اردو اور ہندی کے لیے برابر ووٹ آئے کاسٹنگ ووٹ ہندو سپیکر نے ہندی کے حق میں دیا یوں ہندوستان کے ماحول سے اردو بڑی تیزی سے غائب ہوگئی۔ غالبؔ و میر کی دلّی کے ریلوے سٹیشن پر مَیں نے جو نشانات و اشتہارات اپنے پہلے سفر (۱۹۶۲ء) میں اردو میں دیکھے تھے آنے والے سالوں کے سفروں میں غائب تھے۔

پاکستان میں بھی اردو کا حال اور اس کی رفتار ترقی قطعاً ترقی بخش نہیں ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۳ء اور ۱۹۷۳ء تینوں بار بننے والے دستوروں میں اردو کی حیثیت قومی زبان کی رکھی گئی ہے مگر اِس کے نفاذ سے مکمل اغماض برتا جا رہا ہے آئینی طور پر تمام پس و پیش کے باجود اسے ۱۴راگست ۱۹۸۸ء کو نافذ ہو جانا چاہیے تھا مگر یہ کام کئی عشرے گزر جانے کے بعد اب تک معلق ہے ___ تعجب ہے آئین پاکستان کی شق (۲۵۱) جو معطل بھی نہیں ہوئی مگر اس پر عمل درآمد بھی نہیں ہو رہا۔

ادبی اقدار زبانوں سے زندہ رہتی ہیں جب ہم زبانوں کو ہی ختم کرتے جا رہے ہیں تو ادبی اقدار، اصنافِ سخن اور اخبارات و رسائل کیسے زندہ رہیں گے؟ جدید ذرائع ابلاغ عامہ نے بھی مطبوعات کو پیچھے دھکیلا ہے نئی نسل برقی اور ڈیجیٹل ذرائع سے مانوس ہو رہی ہے زبان کے بارے میں حسّاس ذہنوں کی مثال ایسی ہے کہ

ہے چھت مکان کی گرنے کو، سر اٹھا کر دیکھ
ریاض تو یہ دَر و صحن دھو رہا ہے کیا؟

جس تیزی سے نئی نسل اردو الفاظ و اعداد کی شناخت سے محروم ہوتی جا رہی ہے یہ اہلِ علم و دانش کے لیے لمحۂ فکریہ ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے مجھے اس بات پر تعجب اور سخت ملال ہے کہ بعض سیاسی شخصیتیں اور جماعتیں جو اپنے طور پر بڑی موثر رہی ہیں انہوں نے بھی 'اردو' کے حق میں کبھی ایک لفظ نہیں کہا___ مولانا صلاح الدین مدیر 'ادبی دنیا' نے ۱۹۶۲ء کے آئین کی منظوری کے بعد چھپنے والے شمارے کے سرورق پر لکھا تھا کہ ''اردو کے طفلِ معصوم کو بارہ سال کی نیند سلا دیا گیا ہے جب وہ بارہ سال بعد جاگے گا تو کیا اُس بدلے ہوئے ماحول میں اپنے آپ کو پہچان پائے گا۔'' (مفہوم)

مغربی ممالک میں جہاں برقی ذرائع ابلاغ کی کثرت ہے وہاں کتب و رسائل کی یہ حالت نہیں جو ہمارے ہاں ہے ایک اخباری خبر کے مطابق گزشتہ سالوں میں ہیری پوٹر (سلسلہ نمبر ۴) کی جو کتاب شائع ہوئی اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ تھی___ ہمارے ہاں ایسی تعداد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا___ بات کہیں سے کہیں نکل آئی لیکن ادب، مذہبی ادب، اخبارت و رسائل، جرائد و کتب، سب کا تعلق زبان سے ہے حمد و نعت کو اگرچہ برقی میڈیا کے ذریعے بڑا فروغ مل رہا ہے لیکن کلاسیکی ادب سے استفادے کے لیے زبان کو اپنے اصلی رسم الخط کے ساتھ زندہ رکھنے کی بہت ضرورت ہے___ مقامِ اطمینان ہے کہ کچھ افراد اور ادارے پی ڈی ایف (PDF) کے ذریعے حمد و نعت کے کلاسیکی آثار کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

صبیح کی مذکورہ بالا تجویز بہت اہم اور قابلِ عمل ہے کہ محافلِ میلاد کے منتظمین اس سلسلے میں آگے بڑھیں اور حمد و نعت کے رسائل کی ترسیل میں معاون بنیں۔

'نعت رنگ' کے تنقید ساماں اشارات (شمارہ ۲۰ اور ۲۱) نعت کے فروغ اور تعلیمی نصابات میں اِن کے شمول کے بارے میں ہیں۔ صبیح کہتے ہیں:

''بلاشبہ بیسویں صدی (جسے نعت کی صدی بھی کہا گیا) میں نعت گوئی کے رجحان میں قابلِ رشک اضافہ ہُوا اور نعت گوئی نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی۔ نعت

کے موضوعات میں تنوع پیدا ہوا، ہیئت میں تبدیلیاں ہوئیں، تخلیقِ نعت کے ساتھ ساتھ تحقیقِ نعت، تنقیدِ نعت اور تدوینِ نعت کا شعور بھی پیدا ہُوا جس کے نتیجے میں بے شمار معیاری نعتیہ مجموعے، کئی اہم تحقیقی مقالے، کچھ تنقیدی کتابیں، چند ادبی انتخاب اور نعت گوشعرا کے کئی اہم تذکرے سامنے آئے۔ علاوہ ازیں رسائل و جرائد کے اہم نعت نمبر شائع ہوئے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے نعت کو اہمیت دی اور خود حمد و نعت سے متعلق کئی رسائل و جرائد اور کتابی سلسلوں کا اجرا ہُوا۔''

''یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمارے ملک کے تعلیمی نصاب میں کتنے مدارج پر مطالعاتِ نعت کو شامل کیا گیا ہے؟''

رفتارِ نعت کی تسلی بخشش صورتِ حال کے اظہار کے ساتھ انہوں نے نصابات تعلیم میں اِن کے شمول کی ضرورت و اہمیت کے طرف توجہ دلائی ہے یہ بات اہم اور سچ ہے کہ بہت سی ادبی شخصیات، میلانات، رویےّ، تحریکیں آج نصابات کے ذریعے ہی زندہ ہیں بڑے بڑے 'نصابات بدر، ادیب، شاعر اور اُن کی منظومات طاقِ نسیاں کا حصہ بن چکی ہیں ایک طویل فہرست ایسے باکمال اہلِ قلم کی ہے جو کسی غفلت یا تعصب کے سبب نظر انداز ہو گئے اور ایسے بھی کئی نسبتاً کم 'باکمال اہلِ قلم' ہیں جو نصابات کی بیساکھیوں پر کھڑے ہیں۔

میری نگرانی میں ایم اے ایجوکیشن کا ایک مقالہ بعنوان NA'AT Need and Scope in English Curriculum in Pakistan لکھا گیا تھا مقالہ نگار سلیم اللہ جندران ہے اس مقالے کو بعد میں احمد فراز صاحب نے نیشنل بک فاؤنڈیشن کی طرف سے ۱۹۹۹ء میں شائع بھی کیا۔

اس مقالے میں ایک اہم موضوع کی نشاندہی کی گئی تھی کہ چھوٹی کلاسوں کے نصابات خصوصاً انگریزی میں جہاں مظاہر فطرت پرندوں، جانوروں اور سیاسی شخصیات کے بارے میں نظمیں شامل کی جاتی ہیں وہاں حمد اور نعت کے حوالے سے

نظمیں نظر نہیں آتیں۔اس بارے میں صبیح رحمانی کی طرف سے اٹھایا گیا سوال توجہ طلب ہے۔

نعت نگاروں کو بھی اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ نصاباتی ضرورت پر مشتمل مواد عام تخلیقات سے کچھ مختلف ہوتا ہے حمد ونعت کے باب میں خاص طور پر چھوٹی جماعتوں کے لیے ایسا مواد بچوں کی ذہنی استعداد کے مطابق، سلیس، رواں دواں اسلوب کا حامل ہو__ مختصر، متوازن حجم، غزل کی بجائے نظم یا مثنوی کی ہیئت، قرآن مجید کی تعلیمات، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خاص واقعہ، مذہبی حوالے سے کسی اخلاق سبق پر مشتمل جن میں جماعت اور عمر وار ذخیرہ الفاظ کا التزام رکھا جائے سب سے بڑھ کر اس مواد کو مسلکی وابستگی اور منافرت سے پاک رکھنے کی ازحد ضرورت ہے۔

صبیح کے اس اشارے سے ایک اہم موضوع ذہن میں یہ ابھر رہا ہے کہ ہمارے موجود نعتیہ سرمائے (کلاسیکی دورِ نعت، جدید اور معاصر دورِ نعت) میں پہلی جماعت سے بی اے تک کے اردو (نصابات میں شامل ہو سکنے والی کون سی نگارشات ہیں؟)

اگر جماعت وار پانچ پانچ حمد ونعت کے نمونے جمع کر کے دو اڑھائی سو صفحے کی کتاب مرتب کی جائے تو یہ بڑا دلچسپ اور مفید طلب کام ہوگا ایم ایڈ ا یجوکیشن کے طلبہ و طالبات اور اساتذہ اس طرف توجہ دیں تو یہ حمد ونعت کی صنف پر کیے جانے والے تحقیقی کاموں میں اضافہ ہوگا۔

مَیں نے 'پڑھ بسم اللہ' کے نام سے ۱۹۹۱ء میں بیرون پاکستان رہنے والے چھوٹے بچوں (Pre School Goers) کے لیے نظموں کی کتاب شائع کی تھی ایک تحقیق کے مطابق ایسے بچے بائیس سو کے قریب لفظ یاد کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب اور نظمیں پنجابی خاندانوں کے اُن بچوں کے لیے تھیں جو اپنے آباؤ واجداد کی زبان اور لسانی کلچر سے باخبر رہنا چاہتے ہیں ان نظموں کے موضوعات مغربی ممالک کے ماحول سے اخذ

کیے گئے تھے مگران کی زبان پنجابی تھی ــــــ یہ نظمیں بارہ سال تک کے بچوں کو یاد کرانے کے لیے کارآمد ہیں کہ اِس سبب اُن کے ذہن میں اپنے والدین کا لسانی سرمایہ اور منظرنامہ محفوظ ہو جائے [ان دنوں مَیں اردو کی ایک ایسی کتاب مرتب کرنے کی سوچ رہا ہوں کہ اب یوکے، امریکہ، کینیڈا، فرانس اور سپین وغیرہ میں بسنے والے پاکستانی خاندانوں میں اردو الفاظ کی شناخت (آواز، املا اور مفہوم) بھی معدوم ہوتا جارہا ہے۔]

اردوئے قدیم کے نعتیہ نمونوں سے ۲۰۲۰ء تک کی مطبوعہ حمد ونعت کی کتابوں میں سے ''اردو نصابات (پہلی سے پانچویں)، (چھٹی سے دسویں)، (گیارہویں سے بارہویں) اور بی اے/ بی ایس کے لیے حمد ونعت کے نمونے'' نشان زد کرنے کی ضرورت ہے۔ نعت دوست آگے بڑھیں اور متوازن حجم کے نظم نما ایسے حمد پاروں اور نعت پاروں کی جمع آوری کریں 'نعت رنگ' اس موضوع پر ایک سلسلۂ مضامین تجویز کر سکتا ہے یا نعت ورثہ جیسا ادارہ نعت دوستوں کو 'صلائے عام' کے ذریعے ایسی تجاویز مرتب کر سکتا ہے۔ [مَیں نے برادرم خورشید رضوی صاحب کی نعتیہ کتاب (نسبتیں) کے دیباچے میں اُن کی ایک سیرتی نظم کے حوالے سے نشاندہی کی تھی کی یہ (کالج کی سطح کے طلبا وطالبات) کی نصاباتی ضرورت کے مطابق ایک خوبصورت نعتیہ نظم ہے۔]

'نعت رنگ' کے مدیر نے اپنے اداریوں میں دو اہم تجاویز پیش کی ہیں ایک ملکی سطح پر نعت کے اداروں کی فیڈریشن کی اور ایک گلوبل سطح پر نعت کار اداروں، تنظیموں، اکادمیوں اور مجالس کو ایک لڑی میں پرونے کی تجویز ــــ ان کی یہ تحریر بھی دیکھیے جس میں ان خوابوں اور نیک ارادوں کا سرسری خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

> ''ملک کے طول وعرض میں بے شمار ادارے اور تنظیمیں فروغِ نعت کے حوالے سے سرگرمِ عمل ہیں، اگر ان اداروں اور تنظیموں کی کوئی ملک گیر فیڈریشن قائم کر کے کوئی لائحۂ عمل مرتب کیا جائے تو ہم نعت کے حقیقی فروغ کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ نجی اور سرکاری اداروں کی توجہ

حاصل کر کے، نعتیہ شاعری کے رجحانات اور موضوعات کے حوالے سے معیاری انتخاب مرتب کروا سکتے ہیں، نعتیہ شاعری کے فکری اور تجزیاتی مطالعات کی تنقیدی کتابیں قلم بند کرواسکتے ہیں اور اُن کی ترویج واشاعت کا اہتمام کروا سکتے ہیں، نعت گوئی کی تاریخ اور نعت گوشعرا کے تذکرے قومی اور علاقائی زبانوں میں مرتب ہو سکتے ہیں، سرکاری سطح پر ہونے والی ادبی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں نعتیہ ادب کے لیے خصوصی حصے کا تعین کروا سکتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ نعتیہ ادب کی ترویج واشاعت اور فروغ کا یہ کام ہم اسی میرٹ پر کروانے کا مطالبہ کر سکتے ہیں جو دیگر اصناف شعروادب کے سلسلے میں پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔''

''فروغِ نعت کومزید وسعت دینے کے لیے ہم پہلا قدم اٹھاتے ہوئے آپ کے سامنے ''گلوبل نعت فاؤنڈیشن' کے قیام کی تجویز رکھ رہے ہیں اور ''نعت رنگ'' کی وساطت سے دنیا کے تمام برّ اعظموں میں بسنے والے مسلمانوں اور بالخصوص ادیب اور شاعروں سے ملتمس ہیں کہ وہ ''گلوبل نعت فاؤنڈیشن'' کے قیام کے سلسلے میں اپنی تجاویز اور آرا سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔ ''گلوبل نعت فاؤنڈیشن'' فروغِ نعت کے سلسلے میں ان تمام اقدامات کوممکن بنانے کی کوشش کرے گی جن کا ذکر ہم نے آپ کے سامنے کیا ہے۔ ہم اپنے طور پر فاؤنڈیشن کا ایک خاکہ تیار کر چکے ہیں، تاہم ہماری خواہش ہے کہ مجوزہ ادارے کی ساخت، طریقہ کار، وظائف اور مالی وانسانی وسائل کی فراہمی کو حتمی شکل دیتے ہوئے آپ کی آرا اور تجاویز بھی ہمارے پیشِ نظر ہوں۔''

علامہ اقبال کا کیا خوبصورت شعر ہے

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اندازِ آفاقی

نعت کے حوالے سے گلوبل فاؤنڈیشن کے قیام کا تصور معمولی بات نہیں یہ تصور کسی بہت بڑی جامعہ، کسی تہذیبی و ثقافتی ادارے، کسی فعّال تعلیمی ادارے اور ہر طرح کی سہولیات اور وسائل رکھنے والی ایسی تاریخی، مذہبی درسگاہ کی طرف سے پیش کیا جانا چاہیئے تھا جس کی استعداد عالم گیر حد تک نہیں تو کم سے کم ملک گیر سطح کی حامل ہو جس کی ایک با وقار بلڈنگ ،مستعد سٹاف، وقیع لائبریری ہو جس کے پاس وسائل سے لیس ماحول اور ایسے دوسرے ضروری ابلاغی لوازمات ہو جو آج کے دَور کی اکادمیوں اور تحقیقی اداروں کے پاس ہوتے ہیں__ اس تصور کا اعلان 'نعت رنگ' کے مدیر نے کیا دنیا بھر کے نعت نگاروں ،نعت کاروں ،نعتیہ رسائل ،نعتیہ اکادمیوں ،نعتیہ مجالس ،نعت خوانوں کی انجمنیں ،ڈیجٹیل حوالوں سے نعت سے جڑی ہوئی شخصیات ،اور دنیا بھر میں جہاں بھی کہیں نعت کے حوالے سے کوئی کام ہُوا یا ہو رہا ہے اُن کو ایک دستوری شکل میں مرتب اور منظّم کرنے کے لیے گلوبل فاؤنڈیشن کے قیام کا تصور صبیح نے پیش کیا__ کیا عظیم الشّان منصوبہ ہے__ ایک خواب ،جس کا دیکھا جانا ہی ایک تصور__ جس کا سوچا جانا ہی کسی کارنامے سے کم نہیں خصوصاً مختلف مسالک میں نعت کے حوالے سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش__ اور مختلف ممالک میں نعت کے ذریعے سے یک رنگی پیدا کرنے کا ارادہ__ سب نعت کاروں کو قریب لانے اور نعت کے ایک عظیم منصوبے (Discipline) میں منسلک کرنے کی خواہش اور مرتّب رکھنے کی آرزو___ کیا مبارک آرزو ہے! کیا یہ سوچ اجر مند نہیں ہوگی؟

خدا تعالیٰ کا قرآن میں وعدہ ہے کہ خیر کا ایک ذرّہ بھی قیامت کے دن اپنا اجر پائے گا نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت اخلاص سے سوچی ہوئی یہ تجویز، ارادہ، خواہش اور عزم کیوں بار آور نہ ہوگا؟ اس پر صبیح رحمانی مبارکباد کے مستحق ہیں__ مبارکباد کے ساتھ ہمارے ہمہ پہلو تعاون اور دعاؤں کے بھی___ آیئے سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی خدماتِ نعت کے جذبے کو مزید توفیقات سے نوازے اور

وہ نعت کے باب میں اپنے منصوبوں کی تکمیل میں اخلاص وتن دہی کے ساتھ ایسے ہی سرگرم عمل رہیں۔آمین

'نعت رنگ' کے اداریوں کے کچھ اور نقد سامان جملے دیکھیے :

نعت ہمارے عقیدے کی اساس ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی اقدار کی نقیب بھی ہے۔

نعت کا مطالعہ ہماری نبی کریم ﷺ سے وابستگی اور آپ ﷺ سے عقیدت ومحبت کے اظہار کا وسیلہ ہی نہیں اور نہ یہ محض ادبیات کا کوئی ایک پہلو ہے بلکہ یہ عمرانیات، بشریات، تاریخ اور مطالعۂ ثقافت کو ایک ہی نکتے پر مرکوز کر کے ہمارے سامنے لاتا ہے۔

نعت پر ادبی مباحث کے دَر کھلے رہیں اور صدیوں سے بند اس ایوان میں تازہ ہوا کے جھونکے آتے رہیں تا کہ ہمیں نعت کے علمی، ادبی، تہذیبی جہات کا علم ہو اور ہم اس کے آداب کا شعور حاصل کر کے نعت کی حقیقی قوت کو جان سکیں اور اس کے بروئے کار لاکر ایک مثالی معاشرے کی تعمیر کر سکیں۔

نعت کو دیگر شعری اصنافِ سخن میں بہ اعتبار صنفِ سخن منوانے اور اس کے ادبی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کے لیے تنقیدی بصیرت اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والی انتقادی اصابت رائے کی ضرورت تھی۔

''نعتیہ شاعری کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جائے''

نعت کا سفر کائنات کا سفر ہے۔وجہ وجودِ کائنات ہی توجو ہر کائنات بھی ہیں۔

ہر نئے عہد میں آپ کے ذکر کی بلندی کے نئے سامان، نئے انداز، نئے پیرائے، نئے قرینے، نئے سلیقے، نئے ہنر، نئے جوہر، نئے رنگ اور نئے آہنگ سامنے آتے رہتے ہیں اور آتے رہیں گے۔

سیرت کی تفہیم کے لیے نعت کے مترنم طرزِ ادا سے نئی نسل کی ذہنی تطہیر اور فکری تعمیر کا اہتمام_

نعت کاری کے لیے سادہ کاری کی ضرورت ہے نہ کہ پُر کاری کی۔

خدا اور بندے کے درمیان جو مماثلت شاعروں نے دیکھی ہے ایسی ہی مماثلت اور یکسانیت شاعروں نے رسالت مآب اور اولیائے کرام میں بھی تلاش کر لی ہے۔

زندہ اور فکر انگیز ادب ہمیشہ مکالماتی فضا کو قائم رکھتا ہے۔

کوئی ادب اور اُس کی تنقید اپنی تہذیبی اقدار سے رُوگرداں ہو کر نہ تو اپنی حقیقت کو پاسکتے ہیں اور نہ ہی جریدۂ عالم پر اپنے نقشِ جاوداں کا سامان کر سکتی ہے۔

بعض لوگوں نے نئی یا گہری بات کہنے کی کوشش ضرور کی ہے، لیکن ان کے مقدمات محلِ نظر ہیں۔

دوسری بات یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اگر ایک شخص کی آزادی کے ضمن میں ہم اُسے یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ ادب کو سیکولر یا لا مذہب سمجھے تو دوسرے شخص کو یہ آزادی دینے میں کیا امر مانع ہے کہ وہ ادب و مذہب کو ہم رشتہ گردانے۔

یہ درحقیقت ایک میڈیم ہے، یعنی ایک ایسا ذریعہ ہے خدا کی اس روشن دلیل کو اپنی عقل، اپنی روح اور اپنے پورے وجود میں بسانے کا جس سے ساری روشنیاں پھوٹتی ہیں، اور جس سے دُوری یا انقطاع ہی دراصل ظلمات، گمراہی یا تاریکی کا دوسرا نام ہے۔

عصرِ حاضر کے نمائندہ نقادوں کا نعت گوئی کے اسالیب اور شعری جمالیات پر تنقیدی شعور کے ساتھ اظہارِ خیال کی جانب سنجیدگی سے متوجہ ہونا خوش آئند ہے، صرف خوش آئند نہیں بلکہ یہ عمل ہماری اس کوتاہی، غیر ذمے داری اور غفلت کا مداوا بھی معلوم ہوتا ہے جو طویل عرصے تک نعتیہ ادب کے ضمن میں ہمارے ہاں فکر و ادب کی دُنیا میں رائج رہی ہے اور جس کے منفی اثرات ہماری تہذیب اور سماج کے تقریباً سب ہی شعبوں میں افسوس ناک حد تک نمایاں طور پر ایک پورے دَور کے حوالے سے دیکھے اور محسوس کیے جاتے ہیں۔

''عصرِ حاضر کے نعت گو'' گوہر ملسیانی کے قلم سے نکلنے والا مضمون وہ ادبی شاہکار ہے جس نے اُن کی تذکرہ نگاری اور تنقیدی جوہر ہی کو اجاگر نہیں کیا، بلکہ پاکستان کے ادبی منظر نامے پر نعت کے ادبی اسالیب کی چاندنی بھی بکھیر دی۔ ادب کی عمومی جہتوں کے حوالے سے بھی تنقید، تحقیق، شاعری اور نثر نگاری کے شعبوں میں گوہر ملسیانی نے ایسے کئی علمی کام چھوڑے ہیں جن کی روشنی سے علم و ادب کے افق پر اُجالا رہے گا۔

تازہ کاری اور عشق و محبت کا والہانہ پن اُن کے اسلوب کے نمایاں اوصاف تھے۔ جدید نعت کے جتنے موضوعاتی زاویے ہو سکتے تھے، ریاض حسین چودھری کے ہاں سب کے سب نہایت سلیقے اور توازن کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

''نعت درود و سلام کے پیکر کے شعری کا نام ہے''

یہ وہ مختصر جملے ہیں جو اپنے تلازمات اور معنوی وسعتوں میں ایک مضمون کے امکانات رکھتے ہیں نعت اگرچہ ایک صنفِ سخن ہے لیکن ایک حوالے سے یہ توصیف نامہ، درود و سلام نہ ہوتے ہوئے بھی اسی کا شعری پیکر ہے اس پر شرعی، فقہی، شعری کئی حوالوں سے بات کی جا سکتی ہے۔ نعت میں اگرچہ درود و سلام کے مضامین تواتر سے آئے ہیں اور آتے رہیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور فیضان پر مشتمل دوسرے مضامین و موضوعات کس حد تک 'درود و سلام' کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں؟ یہ سوال محلِ نظر ہے پھر نعتیہ مضامین کی مختلف قسموں میں وہ کون سی قسمیں ہیں جو درود و سلام کے متبادلات کے قریب ہیں جو نعتیں مسلکی شدّت پسندی اور گروہی اختلافات یا بین المذہبی فرعوی اختلافات کو ہوا دینے کا سبب بن رہی ہیں وہ نعت یعنی اس 'درودی' اعتبار پر کس حد تک پورا اترتی ہیں؟

صبیح کا یہ قول دراصل اُس اعلیٰ درجہ کی نعت کی نشاندہی کرتا ہے جو اخلاص اور عبادت کی سی یکسوئی کے ساتھ لکھی گئی ہو اور جس میں شرعی تقاضوں اور ادب و احترام

کے تقاضوں کوملحوظ رکھا گیا ہو۔

''تحریک پاکستان_ اسلامی تشخص ہی کا نام ہے''

تحریکِ پاکستان __ بلاشبہ اسلامی تشخص اور برّصغیر میں اسلامیانِ ہند کی جداگانہ پہچان ہی کے لیے تھی اس تحریک کا مقصد بھی اسی خطہ زمین میں اسلامی نظام کا نفاذ تھا قائداعظم کی ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی بیانیہ تقریر کو اگرچہ بعض ترقی پسند اور دین بیزار لوگوں نے خلط مبحث بنا دیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک طبقہ اس وطن کے مذہبی تشخص کو سیکولر رنگ دینے پر بضد ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ تحریکِ پاکستان __ اسلامی تشخص اور نظامِ سلام کے نفاذ ہی کے لیے تھی صبیح کے اس فقرے کی تائید کے لیے ایک نظر اس زمانے کی تاریخ پر ڈالنا ہوگی۔

قائداعظم کی مجلس دستور ساز پاکستان کا پہلا صدر منتخب ہونے پر جو تقریر کراچی میں ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء میں کی گئی آج اس کو پوری تحریک قیامِ پاکستان اور قائد کے افکار اور گزشتہ و آئندہ کی جانے والی بیسوں تقریروں کے سیاق وسباق سے الگ کر کے دیکھا جا رہا ہے ان کی تقریر کے آخری پیراگراف کے جملے......

''سب کے سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں......اب ہمیں اس بات کو ایک نصب العین کے طور پر اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے اور پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو، ہندو رہے گا نہ مسلمان، مسلمان __ مذہبی واعتبار سے نہیں کیونکہ یہ ذاتی عقائد کا معاملہ ہے بلکہ سیاسی اعتبار سے اور مملکت کے شہری کی حیثیت سے۔''

قائداعظم کے یہ خیالات نہ تو اسلامی نظریے کے خلاف ہیں نہ پاکستان کے اسلامی تشخص کے ___ ان فقرات کو اُن دِنوں کے تناظر میں دیکھنا چاہئے جب ہندوستان اور پاکستان سے ہجرت کر کے آنے والی آبادیوں کے لُٹے پُٹے اور کٹے ہوئے قافلے آ جا رہے تھے ایک خوف کی فضا تھی ہجرت اُن دکھوں کو جنم دے رہی تھی

جن کے لگائے زخم سے کچھ خاندان پون صدی گزرنے کے بعد بھی آج تک ذہنی طور پر دَربدری اور مہاجرت کی فضا میں جی رہے ہیں ___ کچھ لبرل اور ترقی پسند نام نہاد دانشوروں نے اِن جملوں کی تعبیر سیکولرازم کے حوالے سے کی اور یہ پروپاگنڈا شروع کر دیا کہ قائداعظم پاکستان کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے ایسا خیال پوری تحریک پاکستان کو سبوتاژ کرنے کی کوشش ہے اس غلط خیالی اور گمراہ بیانی کا بھرپور تجزیہ 'قائداعظم چیلنج سیکولرازم' ماہنامہ 'نظریۂ اسلام آباد، اگست ۲۰۱۲ء۔ مطبع جناح تھنکرز فورم، ۲۰۱۵ء، کراچی میں آزاد بن حیدر نے مختلف اہلِ قلم کے جائزوں کی روشنی میں تفصیل سے کیا ہے مثلاً یہ مندرجات دیکھیے :

☆ گیارہ اگست کی تقریر سے جو استدلال کیا جاتا ہے وہ غلط ہے (جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال)

☆ قائداعظم کی ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی صدارتی تقریر کا جائزہ، میثاق مدینہ کی روشنی میں (ڈاکٹر رفیق احمد) ماہنامہ نظریہ پاکستان دسمبر ۲۰۰۵ء، لاہور

☆ ایک مسیحی رہنما جو افضل الدین کے بقول ''یہ کہنا کہ تخلیقِ پاکستان کے بعد قائداعظم نے جو خود اس پاکستان کے خالق تھے ___ اپنی پہلی ہی تقریر میں کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جس سے اس بات کا دُور کا بھی امکان ہے کہ اس سے پاکستان کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی۔ بالکل پاگل پن ہے قائداعظم نے اتنا ہی کہا تھا کہ پاکستان میں بلالحاظ مذہب وملّت ہر ایک کو مساوی حقوق شہریت حاصل ہوں گے (ماہنامہ نظریہ پاکستان، ص۱۹، جولائی ۲۰۰۴ء، لاہور)

پاکستان کے علمی وادبی اور سیاسی وسماجی حلقوں میں اس مسئلہ کو مستقل زیرِ بحث رہنے والے موضوع کی صحیح تفہیم کے لیے پاکستان تحریکِ پاکستان کے تناظر میں قائداعظم کی ان بیسوں تقاریر کے اعادے کی ہمیشہ ضرورت رہے گی جس میں انہوں نے وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ 'مَیں مطمئن ہوں کہ قرآن وسنت

کے زندہ جاوید قانون پر مبنی ریاست (پاکستان) دنیا کی بہترین اور مثالی ریاست ہوگی یہ اسلامی ریاست اسی طرح سوشلزم کیمونزم، مارکسزم، کیپٹل ازم کا قبرستان بن جائے گا جس طرح کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ اس وقت کے تمام نظام ہائے فرسودہ کا رگورستان بنا'' (انٹرویو: سید بدرالدین از ''محمد علی جناح''، مقبول اکیڈمی، لاہور)

صبیح رحمانی کا یہ جملہ نظریہ پاکستان کے اعادے ہی کی صورت ہے بات سے بات نکلتی ہے اس چھوٹے سے جملے سے کئی موضوعات جو اس حقیقت سے منسلک ہیں سامنے آ گئے نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مناسبت سے پاکستان (بلکہ پاکستان سے قریباً ایک عشرہ قبل لکھے جانے والی نعتیہ شاعری/ منظومات/ ملّی ترانوں کے موضوعات و مضامین میں 'نظریہ پاکستان' اور پاکستانیت کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔) 'اردو نعت میں پاکستان' تحقیق لائق موضوع ہے ہمارے نعت نگاروں کے ہاں اس انداز کے شعر مل جاتے ہیں جن میں براہ راست یا علامتی انداز میں پاکستان کے اسلامی تشخص اور اس میں نظامِ اسلام کے نفاذ، فروغ اور سربلندی کی دعاؤں کا اظہار ہُوا ہے۔ مثلاً منیر نیازی کے یہ دو شعر دیکھیے: ایک ان کی غزل کا مقطع ہے

فروغِ اسمِ محمد ہو بستیوں میں منیر
قدیم یاد نئے مسکنوں سے پیدا ہو

دوسرا شعر ان کے ایک ملّی نغمے کا جو پاکستان کے بارے میں ہے وہ کہتے ہیں:

تو بھی ہے ہجرت کدہ شہرِ مدینہ کی طرح
ہم نے بھی دہرائی ہے اک رسم آبا کی طرح

۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ جنرل پاکستان نے عید میلاد النبیؐ کی تقریبِ سعید پر اپنے اعزاز میں کراچی بار ایسوسی ایشن کی جانب دیے گئے ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

’’مَیں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لوگوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے، یہ پروپیگنڈا کررہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں کی جائے گی۔

قائداعظمؒ نے فرمایا:’’آج بھی اسلامی اصولوں کی زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو برس پیشتر ہوتا تھا۔‘‘

’’جو لوگ گمراہ ہوگئے ہیں یا کچھ لوگ جو اِس پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے ہیں، مَیں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

اسلام اور اس کے اعلیٰ نصب العین نے ہمیں جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو مساوات، عدل اور انصاف کا درس دیا ہے، کسی کو جمہوریت، مساوات اور حریت سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ دیانت کے اعلیٰ ترین معیار پر مبنی ہو اور اس کی بنیاد ہر شخص کے لیے انصاف اور عدل پر رکھی گئی ہو۔

ہمیں اسے (پاکستان کا آئندہ دستور) بنا لینے دیجیے۔ ہم اسے بنائیں گے اور ہم اسے ساری دنیا کو دکھائیں گے۔‘‘

’نعت رنگ‘ کے اداریے میں نظریہ پاکستان کے حوالے سے پاکستان کی بات ایک مذہبی حقیقت ہے آج کے دَور میں جب منفی پروپیگنڈے یہ معمور شر پسند اور وطن دشمنوں کی کئی ویب سائٹس اور ادارے شب و روز زہر اُگل رہے ہیں ایسی باتوں کو دہرانے کی ضرورت ہے جن کی اوپر نشاندہی کی گئی ہے ’’نعت کے معاصر منظر نامے میں پاکستان بطور ایک موضوع‘‘ پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

وفیات کا حصہ ’نعت رنگ‘ کے ہر اداریے کا ایک اہم حصہ ہے ___ دوسرے رسائل میں مختلف ___ اظہارِ غم اور دعائے مغفرت کے ساتھ مرحوم کی شخصیت اور نعت کے باب

میں اُس کی خدمات کی نشاندہی پر مشتمل جس میں اس کے فکر وفن کے بارے میں بعض ایسے جملے بھی ہوتے ہیں جو مرحوم کی نعت کاری پر نقد کے عناصر بھی رکھتے ہیں۔

میری مطالعاتی تربیت جن رسائل نے کی ان میں ادبی دنیا، نقوش، فنون، سویرا (لاہور) نگار، سیپ، نیا دَور (کراچی) وغیرہ شامل ہیں۔ مَیں نے کسی رسالے کی اداریے میں مرحومین کے بارے میں اتنی تفصیلات نہیں دیکھیں جتنی 'نعت رنگ' میں ملتی ہیں مذکورہ بالا رسائل کے اداریوں کے آخری حصے میں عام طور پر مرحومین کے نام کے ساتھ اظہارِ غم اور دعائے مغفرت کا اظہار کر دیا جاتا کبھی کبھار کسی مرحوم کے بارے میں چند فقرے اُس کی ادبی کارکردگی کے حوالے سے بھی مل جاتے (واضح رہے کہ بات اداریوں کی ہو رہی ہے ورنہ مرحومین کے بارے میں خصوصی گوشوں اور جداگانہ نمبروں کی اشاعت کی روایت ہمیشہ سے موجود رہی ہے)۔

'نعت رنگ' کا یہ تخصص رہا ہے کہ اس نے ہر نعت کار کی رحلت کو اپنے کارواں کے ایک اہم فرد کی جدائی کے طور پر محسوس کیا اس کے بارے میں ضروری کوائف جمع کیے۔ زندگی اور نعتیہ خدمات کے حوالے سے معلومات کی فراہمی اور نمونہ کلام کے ساتھ اس کے زیرِ ترتیب کاموں اور عزائم ہی کی نشاندہی بھی کی نیز اس کے ادھورے کاموں کو سمیٹنے کی طرف مرحوم کے اعزّہ اور احباب کی توجہ بھی مبذول کرائی۔

یوں صبیح کا اظہارِ غم دوسرے رسائل کے حصہ وفیات سے کچھ مختلف اور ذاتی محسوس ہوتا ہے مدیرِ 'نعت رنگ' کا یہ رویّہ سرسری اور معمول سے ہٹ کے ہے اس کی فطری وجہ بھی ان کی 'نعت' سے ہمہ پہلو وابستگی ہے صبیح کا مرحومین سے تعلق نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سبب تھا تو ان کی وفات کو صبیح نے اپنے مشن، نصب العین، نعت دوستی اور 'نعت رنگ' کے تعلق سے دیکھا راقم کی نعت کا ایک شعر ہے۔

پیروی سے تریؐ اندازۂ معیارِ بشر
دیکھی جاتی ہے ترےؐ قرب سے عظمت، سب کی

صبیح نے نعت اور 'نعت رنگ' سے وابستگی اور تعلق کی نسبت سے مرحومین کے دکھ کو محسوس کیا۔ اِس محبت آویز رویّے کی پُرتاثیر مثال محترم ابوالخیر کشفی صاحب کی وفات پر وہ چند سطور ہیں جنہیں پڑھتے ہوئے آج بھی قاری کی آنکھوں میں نم تیر جاتا ہے__ میر تقی میرؔ نے کسی ایسی ہی کیفیت میں یہ شعر کہا تھا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدّت تک وہ کاغذ نَم رہا

ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفیؒ

''کسے خبر تھی کہ 'نعت رنگ' بیس (۲۰) کا اداریہ لکھتے ہوئے میرے ہاتھ اس گرد سے اٹے ہوں گے جو حضرت (ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفیؒ) کی تربت پر ڈالی جانے والی مٹی کا حصہ ہوگی۔ حضرت کو ان کے آخری سفر پر روانہ کر کے اشکبار آنکھوں کے ساتھ گھر لوٹا تو یہ گرد میرے ہاتھوں سے لپٹ کر میرے ہمراہ چلی آئی، گھر آ کے میں گھنٹوں اپنے ہاتھوں پر موجود اس گرد کو دیکھتا رہا، مجھے اس گرد سے حضرت کی خوش بو محسوس ہوئی۔ لمس کی حرارت محسوس ہوئی بالکل ایسا لگا کہ جیسے میرے ہاتھ پر گرد نہ ہو حضرت کے ہاتھ ہوں اور وہ اپنی روایتی گرم جوشی سے 'نعت رنگ' کی تازہ اشاعت پر خوشی کا اظہار کر رہے ہوں۔ بعینہٖ ویسے ہی جیسے وہ 'نعت رنگ' کے ہر شمارے کی تکمیل اور اشاعت پر کرتے تھے خدا میرے ماں باپ کا سایہ تادیر میرے سر پر سلامت رکھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت کے چلے جانے سے مجھ پر کھُلا کہ یتیمی کس احساس کا نام ہے۔ دل کا کٹنا صرف محاورہ نہیں ہے۔ بے سائبان ہونا صرف لفظ نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے احساس کا ایک جہاں آباد ہے۔ حضرت کی شخصیت مجموعہ کمالات تھی ادب، لسانیات، خاکہ نگاری، شاعری، نعت گوئی، تنقید، سیرت نگاری وہ کون سا شعبہ تھا جہاں آپ نے اپنے کام سے اَن مٹ نقوش نہ چھوڑے ہوں لیکن میری نظر میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی شخصیت کا سب سے بڑا حوالہ تھا لوگ ان کی سیرت نگاری، نعت نگاری،

نعت شناسی کے ساتھ ساتھ دیگر مذہبی تحریری سرمائے میں ان کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تلاش کرنے میں مصروف رہیں گے۔''

(زیرِ نظر مضمون میں نعت رنگ کے اداریوں کے اسلوب کا مطالعہ مقصود نہیں ورنہ اس رحلت پارے کے اسلوب پر اور کئی زاویئوں سے بات ہو سکتی ہے)

وفیات کے حوالے سے مذکورہ بالا چند جملے دیکھیے جو اپنی نقد سامانی کے سبب مختلف مضامین اور مقالوں کی بنیاد بن سکتے ہیں

بحیثیت مجموعی 'نعت رنگ' کے اداریوں میں 'وفیات کا حصہ' ایک جداگانہ مقالے کا موضوع ہے۔ اس حصہ/ شذرات میں مرحومین کے سوانحی حالات/ نعت کے ضمن میں ان کی خدمات/ مجموعے، دیگر نثری مضامین/ مختلف نعتیہ اداروں، رسالوں اور انجمنوں سے اُن کی وابستگی/ نمونۂ کلام/ زیرِ تکمیل عزائم/ دیگر معلومات/ کتابیات/ نمونہ ہائے تحریر اور دوسرے علمی و ادبی آثار وغیرہ میں مختلف ناموں کے عنوانات کے تحت نعت کی گزشتہ تین دہائیوں کے اس دکھ کو سمیٹا گیا ہے جو اُن نعت کاروں کی رحلت سے اہلِ نعت کو ہُوا___ خصوصاً اس تناظر اور پس منظر میں جب نعت کی صنف اپنے تشکیلی دور کا سفر خوش اسلوبی سے طے کر رہی تھی اگر وہ احباب نعت آج زندہ ہوتے اور نعت/ 'نعت رنگ' کے فروغ کو دیکھتے تو کتنا خوش ہوتے اور اپنی خدمات سے نعت کے معاصر تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی منظر نامے میں کتنے رنگوں کا اضافہ کرتے مگر خلا کا یہ احساس اور 'اگر' کے الفاظ ہماری بشری کمزوریوں کے سبب ہونٹوں پر آ جاتے ہیں وگرنہ بقول مرزا انیس:

ع جب احمدِ مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا

موت ایک ایسی حقیقت جس سے تصور میں بھی انکار ممکن نہیں صبیح کے حوصلے کی بات ہے کہ مرحومین کی رحلت کے دکھ کے ساتھ، 'نعت رنگ' کا سفر جاری ہے تازہ نعت کاران اپنی کوششوں سے اس خلا کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو اکابر مرحومین

کے سبب پیدا ہو۔

صبیح نے ان وفیات کے ذیل میں ذاتی تعلقات اور ملاقاتوں کو بھی اپنے اظہارِ غم کا حصہ بنایا ہے ہر مرحوم کے ذکرِ رحلت کے ساتھ صبیح نے جس طرح اپنے احوال اور مرحوم سے وابستہ چشم و گوش کی شہادتوں کو جمع کیا ہے یادوں کی یہ جمع آوری پُر تاثیر محاکاتی انداز لیے ہوئے ہے قاری مرحومین کی خبر رحلت پڑھتے ہوئے اُس فضا میں پہنچ جاتا ہے جس کی تصویر کشی لکھنے والا کر رہا ہے یوں ہم مرحوم سے صبیح کے تعلق خاطر کے ذکر کے ساتھ مرحوم کی صحبت کو خود بھی محسوس کرتے ہیں۔ صبیح کے لفظوں میں مرحوم کے معمولات اور مصروفیات کی چلتی پھرتی تصویریں دیکھتے ہیں۔ یہ صبیح کے اندازِ تحریر کا ایک رخ ہے اسے ’نعت رنگ‘ سے وابستہ نعت نگاروں اور دوسرے احباب نعت کی رحلت کے عنوان سے جداگانہ مطالعے کا موضوع بھی بنایا جا سکتا ہے۔

وفیات کے باب میں صبیح کی ساری تحریریں موثر ___ قابل ذکر معلومات کی حامل اور ریسرچ سکالرز کے لیے مفیدِ مطلب ہیں مَیں کوشش کے باوجود اِن رحلت پاروں کے اقتباسات کم نہیں کر سکا اس مضمون میں وفیات کے بارے اقتباسات کی زیادتی کا باعث اُن کا یہی طرزِ تحریر ہے جو معلومات کے ساتھ یادآوری یا یادنگاری کے موثر عناصر بھی لیے ہوئے ہے۔

’نعت رنگ‘ کے اداریوں میں جو بکھرے بکھرے تنقیدی اشارے ہیں وہ تین چار طرح کے ہیں ایک تو نعت کی وہ صنف، روائت، تاریخ، معاصر منظر نامے اور امکان کے بارے میں دوسرے بعض مندرجات ان تہذیبی و عمرانی اور تمدنی و سیاسی احوال کے ذیل میں ہیں جن کا تعلق براہ راست تو نہیں مگر کسی نہ کسی حوالے سے وطنِ عزیز اور اسلام کو درپیش مسائل سے ہے نعت رنگ کی ادارتی تحریروں میں کچھ تنقیدی جملے، آراء اور تجاویز وسیع تر حوالوں سے نعتیہ اداروں، مجلسوں، شخصیتوں، خدمت گزاروں اور اُن کی مساعی کو مربوط کرنے کے بارے میں ہیں اسی طرح بعض تنقیدی

جملے، مرحوم نعت نگاروں کے فکر وفن اوران کے کلام کی جمع آوری کے حوالے سے ہیں ایک ایک کر کے ہم ان چاروں طرح کے مواد کو جمع کرنے اور ساتھ ساتھ اُن جملوں کی نقد سامانیوں اور امکانی وسعتوں کی نشاندہی کی کوشش کرتے ہیں۔

اردو نعت کے ذیل میں مولانا احمد رضا خاں کی خدمات، مقام و مرتبہ، معاصر نعت کے حوالے سے ان کی عصری مناسبت Relevancy اور مستقبل میں اُن کے نعتیہ مطالعات کے امکانات ____ وہ مستقل موضوعات ہیں جن پر گزشتہ صدی سے آج تک برابر گفتگو ہو رہی ہے اُن کی نعتیہ شاعری کے فکر وفن پر بیسوں کتابیں، سندی مقالات، کانفرنسیں، سیمینارز اور سینکڑوں مضامین لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں زبان و بیان کے حوالے سے، شعری محاسن، آداب واحترام نعت کے لحاظ سے اُن کی احتیاط پسندی، شرعی تقاضوں کی پاسداری، اُن کی نعت کی تضمین، ان کے کلام میں قرآن و احادیث کے حوالے یہ سب مضامین و موضوعات نعت کے ہر دور میں نہ صرف زیرِ مطالعہ رہے ہیں بلکہ ان سے اردو نعت کے مطالعاتی آفاق میں وسعت اور تنوع کو فروغ ملا ہے۔

ان مطالعات کو ادبی جائزوں کے دائرے میں رکھنے کی بجائے جب مسلکی وابستگی یا اختلاف سے آمیز کیا گیا تو ان کی نعتیہ حیثیت کہیں کہیں غلطِ مبحث کا شکار بھی ہوئی۔ بریلویت اور غیر بریلویت دونوں طرف سے کچھ متشدد ذہنوں نے ان مطالعات کو مناظروں کو شکل دے دی ہے اور اب نوعیت یہاں تک آ گئی ہے دونوں اپنے نعتیہ رسائل، گلدستوں، انتخابات، محافل اور سیمینارز وغیرہ میں اپنی مسلکی شخصیات کو بڑھانے اور دوسرے مسالک کی شخصیات کو نظر انداز کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں یہ کوششیں نادانستہ طور پر نہیں پوری منصوبہ بندی سے ہو رہی ہیں اس سے نہ صرف نعت کا ماحول متاثر ہو رہا ہے بلکہ نعت کاروں کے لیے بڑی الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔

وہ اہلِ قلم جو سنجیدگی سے نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صنف کو ادبیات

عالیہ کے تناظرات میں دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ عموماً فقہی وابستگیوں اور مسلکی گروہ بندیوں سے بچ کر چلتے ہیں مگر بعض ایسے اہلِ قلم جو اہلِ قلم کم اور مبلّغ، ذاکر یا اپنے مسلک کے فریفتہ زیادہ میں اپنے آپ کو ہمیشہ 'حالتِ جنگ' میں رکھتے ہیں ان کی تنقیدی تحریریں، ادبی مطالعے کم اور تشدد انگیز بحث و مباحثہ زیادہ نظر آتی ہیں ___ مولانا احمد رضا خاں کے کلام پر ہونے والے مباحث بھی افراط و تفریط کا نقشہ پیش کرتے ہیں بقول شاعر

کوئی خلوص کا اندھا ہے کوئی کہنے کا
نہ کوئی دوست نہ دشمن مرا قرینے کا

چاہئیے تو یہ تھا کہ

انہی انتہاؤں کے درمیاں کوئی ایک خط مفاہمت
کوئی بات صلح صفائی کی کوئی درمیان کا راستہ

مگر اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جو کوئی ایسی بات کرتا ہے وہ دونوں طرف کے انتہا پسندوں کا معتوب ہو جاتا ہے ___ اس مسئلہ کو ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ 'نعت رنگ' کی کئی اشاعتوں میں ان مباحث کے حوالے سے جو مولانا احمد رضا خاں سے متعلق ہے بڑے باوقار طریقے سے گفتگو ہوئی ہے اس بارے میں 'نعت رنگ' نے ایک اشاعتِ خاص کا بھی اہتمام کیا صبیح نے ایک علاحدہ تالیف بعنوان ''کلامِ رضا: فکری وفنی زاویے'' مطبوعہ 2017ء پیش کی جس میں اردو کے اہم ناقدین اور اہل قلم کے مضامین و مقالات کی جمع آوری کی گئی ہے جو کتاب ایک اہم اور متوازن حوالہ کا درجہ رکھتی ہے۔

میرا ذاتی خیال ہے (اور کسی کا اس سے متفق ہونا قطعی ضروری نہیں) کہ سارا مسئلہ مولانا کی نعت اور عصری حسیّت کا ہے معاشرے میں بہت سی شخصیات اور ان کی کارکردگی کے کلاسیکی معیارات ایسے ہوتے ہیں جن کی اساسی، تاریخی اور (ہر لحاظ

سے) پختہ کارانہ حیثیت مسلّم ہوتی ہے ایسی شخصیات اوران کے آثار ہر زمانے میں اپنے تاریخی شکوہ، بے نقص مہارت، ہمہ پہلو محاسن کے سبب ہر لحاظ سے تکمیلِ باب ہوتے ہیں کلاسیک کے درجہ پر فائز ___ واضح رہے کہ کلاسیک (Classic) کے لغوی مفہوم میں Complete in it self مستند اور اعلیٰ درجہ کی خصوصیات کے حامل ادب پارہ کا تصور نمایاں ہے زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تازہ عمرانی، معاشرتی، سماجی، سیاسی اور لسانی تبدیلیوں کے باوجود اعلیٰ درجہ کی فن کے ابدی محاسن کی حامل تحریریں بھی کلاسیکی شاہکار کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اگر چہ ان کا بعینہٖ اور ہو بہو اعتبار نہ ممکن ہوتا ہے نہ قابلِ عمل ____ جس طرح اگر بادشاہوں کے رہنے کے لیے آجکل 'لال قلعہ' اور دفن ہونے کے لیے تاج محل اراہرام مصر بنانے کی کوشش کی جائے گی تو یہ وقت کے پہئے کو الٹا گھمانے کی کوشش ہوگی __ نا قابل عمل کام اور محض تکرار کی کوشش اسی طرح اگر مولانا احمد رضا خاں کی طرز پر نعت لکھنے کی کوشش کی جائے تو یہ نعت کے معاصر منظر نامے میں کہاں تک کامیاب ہوگی؟ کیا نئے نعت نگار ایسا کر سکیں گے؟ کیا وہ ایسا کرنا چاہیں گے! مثلاً مولانا کی یہ معروف نعتیں

۱۔ مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

۲۔ لم یات نظیرک وغیرہ وغیر

کی طرز، ڈکشن اور پیرائے میں اگر آج کوئی نعت لکھنے کی کوشش کرے گا تو کیا ہوگا؟

اوپر دیے گئے سوالوں کے جوابات یہ ہیں

۱۔ کہ ایسی کوششیں آج کامیاب نہیں ہوں گی!

۲۔ آج کے نعت نگار ایسا نہیں کر سکیں گے!

۳۔ وہ ایسا کرنا نہیں چاہیں گے!

یہ کسی منفی سوچ کے سبب نہیں بلکہ اس لیے نعت کے بدلے ہوئے منظر نامے میں کسی نعت نگار کا اپنے آپ کو اس شعری اسلوب (Diction) سے کلّی طور پر ہم

آہنگ ناممکن سی بات ہے آج کے نعت نگار کی تخلیقی عادت آج کے اسلوب ومحاورہ اور لسانی رویوں کے مطابق (Aclamitize) ہو چکی ہے۔

کلاسیک سرشت افراد کوئی بات سکھانا نہیں پڑتی ان کے اعصاب اور مزاج کی ساخت (Conditioning) فطری طور پر ہوتی ہے یہ تربیت کی ایک ایسی قسم ہے جو غیر شعوری طور ر پر ہو جاتی ہے نفسیات میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ (A type of learning that happens uncosciously)

اور اگر غرض محال کوئی سو سال پرانے اسلوب میں ایک آدھ نعت اسی شعری روایت میں لکھ بھی لے تو وہ بحیثیت مجموعی معاصرِ نعت میں اضافہ نہیں ہو گی بلکہ تکرار محض ہو گی ___ کلاسیکی فن پارے کی ایسی تکرار اپنی جگہ ایک مبارک تقلید اور ثواب آمیز ہو گی مگر نعت کے حالیہ منظر نامے میں اضافہ نہیں۔

اسی سبب مَیں نے مولانا احمد رضا خاں کے حوالے سے ۲۰۱۹ء میں کراچی یونیورسٹی میں اپنے مہمان خصوصی کے خطبے میں کی گئی گفتگو میں کہا تھا کہ مولانا کی نعت سے تخلیقی طور پر استفادہ کرنے کے لیے اُن کے کلام کے مصرع ہائے اولیٰ پر غور کرنے اور ان سے نئی نعتیہ زمینیں کشید کرنے کے ضرورت ہے۔ میں نے نمونۃً چند نعتوں کے کچھ اشعار کی نشاندہی بھی کی تھی جو میں نے فیصل آباد سے کراچی آتے ہوئے جہاز میں کہی تھیں یہ چند نعتیں 'رضا یاب' کے عنوان سے شائد کسی مضمون یا کتابچے میں شائع کردوں 'حدائق بخشش' سے سینکڑوں ایسے بلیغ، پُر تاثیر اور نعت افروز وثنا افزا مصرعے نکالے جاسکتے ہیں جن پر لکھی گئی نعتوں میں عصری حسیت کے حوالے، آج کے ڈکشن، لسانی رویّوں اور اسلوب تازہ سے نعت نگاری ہو سکتی ہے رضا دوست نعت کاروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے یاد رہے کہ احمد رضا خاں کا شمار اردو نعت کے اوّلین اہم نعت نگاروں میں ہوتا ہے خاتمین میں نہیں نعت کا سفر ایک صدی آگے آ چکا ہے اور اس نے ان شاء اللہ آگے بھی صدیوں کا سفر طے کرتا ہے جس طرح ہمارے سماجی، لسانی،

معاشرتی اور نفسیاتی رویّے تبدیل ہو رہے ہیں نعت کے فکری و فنی آفاق بھی پھیل رہے ہیں بلاشبہ نعت کے موضوعات و مضامین کی اساس وہی رہے گی جس کے ڈانڈے، قرآن مجید، احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سیرت طیبہ و کردار جلیلہ سے ملے ہوں گے لیکن نعتیہ اظہار و اسالیب کے طریقے، اصناف، لسانی رویّوں نئے سائنسی حقائق اور انکشافات کی روشنی میں ہمیشہ پھیلتے رہیں گے وہی نعت حسیاتی آ گہی کی حامل ہوگی جس کا ظہور اپنے زمانے کے معاشرتی حقائق اور اپنے عصر کی زندگی کے تناظرات اور ماحولیاتی فضا میں ہوگا۔

'حدائقِ بخشش' سے علامہ قبال، تک پندرہ بیس سالوں میں اردو نعت نے کیا کروٹ لی تھی اس کا فرق 'حدائق بخشش' کی کسی نعت اور علامہ اقبال کی معروف نظم ''ذوق وشوق'' کے لسانی اور فکری پیراؤں کے تقابلی مطالعے سے واضح ہو جائے گا اس سے سات چھ دہائیاں بعد کی نعتیہ شاعری میں حفیظ تائب کا انداز آشوب اور طرز استغاثہ

ع دے تبسم کی خیرات ماحول کو ہم کو درکار ہے روشنی یا نبی

یا نبی ﷺ ___ والی نعت میں دیکھیے ایسے اسالیب اسلوبِ فکر کو نعت کے نئے فکری و فنی سانچے ہی سنبھال سکتے ہیں آنے والے عشروں میں زمانہ جانے کن مسائل سے گزر رہا ہوگا اور ارااور اردو نعت کی عصری حیثیت کس صورت حال سے گزر رہی ہو گی۔اس کا اندازہ آج کی نعت کی روشنی میں بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔احمد ندیم قاسمی کی

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

'نعت رنگ' کے اداریوں میں تنقیدات بلکہ نقد یہ عناصر کہنا زیادہ مناسب ہوگا تنقید اور انتقادی یا نقد یہ نکات مس بڑا فرق ہے ___ تفصیل کے باب میں تنقیدی عمل میں ایک شعوری تسلسل کا مفہوم ہے جب کے صبیح کے اداریوں میں باضابطہ طور پر کسی تنقیدی عمل کا تسلسل نہیں اِن اداریوں کی خوبی بھی یہی ہے کہ انہیں تنقیدی مضامین

نہیں بنایا گیا بلکہ دوسرے مباحث کے حوالے سے کہیں کہیں کوئی ایسی بات کر دی گئی ہے جو نقد کے ذیل میں آ جاتی ہے ایسا جملہ پرکھ پرچول کے کسی پہلو کی نشان دہی مل جاتی ہے یا کوئی ایسا فقرہ جو کسی تفصیلی مضمون کی بنیاد بن سکے ___ ایسے جملے اور ایسی باتیں اکثر لوگوں کی عام گفتگو میں بھی مل جاتی ہے لہٰذا یہ اچنبھے کی بات نہیں لیکن اس مضمون کی بنیاد جو وجہ بنی وہ ان جملوں، فقروں، اشاروں، نقدِ نعت کے ساتھ شعوری یا غیر شعوری انسلاک ہے یا ان کی نعت سامانی ہے ___

'نعت سامانی' کے اس عنصر کی دریافت کے لیے ہمیں تیس سال پہلے جانا ہوگا۔

یہاں کچھ دیر رک کر 'نعت رنگ' کے پہلے اداریے کو دیکھیے اور پھر اس کے اکتیسویں (اب تک کے آخری شمارے) کو دیکھیے نقد سامانی کے حوالے سے آپ کو اِن اداریوں میں ایک مثبت پیش رفت ملے گی اب آپ دیکھیں گے کہ تنقید کے حوالے سے ابتدائیوں کی عبارت میں بلاغت اور نقد سامانی کے عناصر زیادہ بڑھتے جا رہے ہیں ہم دیکھتے ہیں جیسے جیسے نقدِ نعت کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے نعت کے حوالے سے مختلف اور متنوع موضوعات والے مضامین مدیر نعت رنگ کے مطالعے میں آ رہے ہیں نعت کے حوالے سے اُن اداریوں میں تنقید نہ صرف بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے بلکہ اس کے بارے میں اس کا اپنا شعور بڑھتا جا رہا ہے اور اس کے تنقیدی جملوں میں قطعیت، اعتبار اور واضح پن زیادہ ہوتا جا رہا ہے میں نے ان اداریوں کے 'بہ یک مقصد مطالعے' میں صبیح رحمانی مدیر سے ایک ناقد برآمد ہوتا دیکھا ہے۔ آپ اسے 'صبیح بحیثیت نعتیہ ناقد' کا ارتقا کہہ لیجئے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ گزشتہ ربع صدی کے سفر نے غیر محسوس طور پر اردو نعت کو ایک ایسے ناقد سے روشناس کرا دیا ہے جس کے سامنے اردو نعت کی تاریخ، اس کے مختلف اَدوار، شاعر، کتب، رسائل اور دوسرے مباحث و میلانات اور رجحانات و تغیرات کا پورا منظر نامہ ہے اب صبیح ایک شاعر، نعت خواں اور مدیر کی سطح سے آگے کا ایک ایسا ریسرچ سکالر ہے جس کی مثال اردو کی معاصر ادارتی تاریخِ نعت میں

کم کم ملے گی۔آپ گزشتہ ربع صدی میں صبیح رحمانی کے اثاثۂ نقد پر ایک نظر ڈالیے اور درج ذیل نقوش کا بغور جائزہ لیں تو آپ کو اس فقرے کی صداقت کا اندازہ ہوگا۔

۱۔ صبیح کی مرتب کردہ کتب کے دیباچے/مقدمے
۲۔ مختلف کتابوں پر لکھے گئے دیباچے
۳۔ تنقیدی مضامین
۴۔ فلیپ
۵۔ کانفرنسوں میں پڑھے گئے مضامین
۶۔ ریڈیو، ٹی وی، سیمنارز، کانفرنسوں اور وی ینار میں گفتگو
۷۔ اخبارات، رسائل و جرائد کو دیے گئے انٹرویو وغیرہ وغیرہ

مذکورہ بالا تمام حوالوں میں صبیح کی تنقیدی شخصیت مستحکم اور اپنا تنقیدی اعتبار بناتی محسوس ہوئی ہے۔

اس تنقیدی بڑھوتری اور افزائش (Growth) کا احساس صبیح رحمانی کو بھی ہو رہا ہے تیسویں شمارے کے ابتدائیہ آغاز دیکھیے:

''اردو نعت اور اس کی تنقید کا معاصر منظرنامہ میرے لیے عجیب اور نکتہ خیز تقویت کا سامان رکھتا ہے۔گزشتہ کم و بیش تین دہائیوں سے نعت اور اس کے جملہ موضوعات و مباحث میری فکری و ادبی دلچسپی کا بنیادی حوالہ ہیں۔ میں حتی المقدور اس عرصے میں ہونے والی تمام تر نعتیہ ادب کی سرگرمیوں پر غور و فکر کرتا رہا ہوں۔اس لیے ذاتی سطح پر صرف یہ بات میرے لیے امید افزا اور طمانیت کا باعث نہیں ہے کہ اس وقت نعت کے تخلیقی اور تنقیدی دونوں دائروں میں مختلف افکار، رجحانات اور رویوں کے لوگ بہ یک وقت کام کر رہے ہیں۔ یہ بات تو اپنی جگہ خوش کن ہے ہی کہ اس طرح نعتیہ ادب کا وسیع تناظر ابھر کر سامنے آرہا ہے جس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ نعت اب ہمارے ادب کے مرکزی دھارے کا اسی طرح حصہ ہے جیسے کوئی بھی دوسری صنفِ ادب۔ چناں چہ بزعمِ

خویش جدید نظریات اور روشن خیال تصورات کے لوگ جو نعت کو محض عقیدت کا معاملہ قرار دے کر اس کے ادبی معیارات کے بارے میں سنجیدہ رویہ اختیار نہیں کرتے تھے، اب خود ہی خاموش اور لاجواب ہو کر رہ گئے ہیں۔

اسی طرح یہ حقیقت بھی سنجیدگی سے توجہ طلب ہے کہ نعتیہ ادب کے معاصر تناظر میں مختلف ذہنی رویوں، جداگانہ رجحانات اور مختلف النوع افکار کے حامل افراد کی تخلیقی و تنقیدی کارگزاری ایک ایسا پیراڈائم تشکیل دے رہی ہے جس میں ایک طرف نعت بہ حیثیت صنفِ ادب اپنے نئے امکانات کا اظہار کر رہی ہے اور دوسری طرف اس کے توسط سے ہماری ادبی تنقید میں ایک ایسا فکری ڈسکورس بھی قائم ہو رہا ہے جو نعت کے تجزیے اور تفہیم کے بعض بالکل منفرد پہلو اجاگر کرتے ہوئے خود ہماری ادبی و تہذیبی جمالیات کے رموز و علائم کی معنویت کے نئے تناظرات بھی سامنے لا رہا ہے۔

تخلیق و تنقیدِ نعت کا یہ نیا منظر نامہ اس اعتبار سے اردو نعت کی انفرادیت کا مظہر ہے کہ اس کے ذریعے ہم قدری اور جمالیاتی سطح پر اپنے ادب کے جہانِ معنی کو روشن تر ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔''

اس ابتدائیہ کے آغاز کو آپ 'نعت رنگ' کے اب تک کے سفر کا خلاصہ کہہ سکتے ہیں اب تک کی تگ و دو کا ماحصل __ اب تک کی کارکردگی کا ثمر (Achievment) ہے جو ایک طرح نعت رنگ اور صبیح رحمانی کی نقد کوشی کا نتیجہ ہے اور دوسری طرف اردو ادب کی تاریخ میں صنفِ نعت کی تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی پیش رفت کی نشان دہی __ اس اداریے میں کئی ایسے مباحث کی نشاندہی بھی وضاحتی مضامین کی بنیاد بن سکتی ہے جن سے معاصر نعت دوچار ہے مثلاً

معاصر ادب اور تہذیب کا نعت سے تعلق __ عصری تناظر اور تہذیبی سطح پر نعت کی تشکیل نو کا مسئلہ __ نعت کے اساسی عناصر اور آج کی نعت __ انسانیت کی فکری اور اصولی بقا میں نعت کا کردار __ نعت میں خرد افروزی کے عناصر __ معاصر اردو نعت

میں ادبی، تہذیبی، فکری اور عصری معنویت کا مطالعہ ___ نعت میں استغاثہ اور استمد اد کے بڑھتے ہوئے رویے ___ اردو ادب کی تاریخ میں نعت کے مطالعات میں عدم توجہی کے اسباب ___ ترقی پسند تحریک کا تقدیسی اصناف (حمد ونعت) کے بارے میں رویّہ ___ حسن عسکری کی محسن دوستی وغیرہ وغیرہ۔

صبیح رحمانی کی خدماتِ نعت میں ایک اہم کام نقدِ نعت کے حوالے سے حسن عسکری کی دریافتِ نو ہے۔ صبیح نے حسن عسکری کے اس مضمون کو جو انہوں نے محسن کاکوروی کے معروف قصیدے

ع سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

پر کوئی پون صدی پہلے لکھا ہے۔ (کاش حسن عسکری محسن کاکوروی کی پوری شاعری پر اظہارِ خیال کر سکتے)۔ بجا طور پر نعتیہ تنقید کے اوّلین جدید نمونوں کا پیش خیمہ قرار دیا ہے صبیح نے کئی اور جگہوں پر اور مختلف صورتوں میں انہیں خراجِ عقیدت بھی پیش کیا ہے ان پر ایک کتاب بھی مرتب کی۔ جس کا نام ''کلامِ محسن کاکوروی ادبی وفکری جہات'' ہے یہ کتاب 2018ءمیں اکادمی بازیافت، کراچی نے شائع کی۔

اس پیراگراف میں اردو ادب میں نعت کی تخلیق، تحقیق اور تنقید کے بارے میں فقدان کی بڑی وجہ سامنے آجاتی ہے اگر چہ اس موضوع پر کچھ کام ہُوا ہے لیکن اب ان قریباً پچاس اہم سالوں (۱۹۲۰ء سے ۱۹۷۰ء) کی ادبی سرگرمیوں کے تفصیلی اور تجزیاتی مطالعے کی ضرورت ہے جس کے پہلے پچیس سالوں میں بطور خاص ادب میں 'مذہب کو شجر ممنوعہ، بتانے اور سمجھانے کی شعوری کوشش کی گئی۔ شعوری بھی اس انداز کی جسے قانونی، آئینی احکامات اور پارٹی پالیسی کے طور پر نافذ کیا گیا اس دور کے ادب ___ ادیب ___ رسائل وجرائد میلانات ورجحانات کو سختی سے پارٹی لائن کے تابع رکھنے کی تلقین کی گئی ادب دوستوں کو بخوبی علم ہے، انجمن ترقی پسند مصنّفین کو پارٹی احکامات کے تحت سختی سے چلایا گیا ادیب اور شاعر خواہ، کتنا بڑا ہُوا اسے پارٹی ڈسپلن کے پابند رکھنے کی کوشش کی گئی سجاد ظہیر کا احمد ندیم قاسمی کو یہ مشورہ کہ 'مذہب سے پنڈ چھڑا لیں تو

بہتر ہوگا‘ (مفہوم) اوراحمد ندیم قاسمی کا سعادت حسن منٹو کے ایک افسانہ نہ چھاپنے سے انکار جو پارٹی لائن سے تعلق نہ رکھنے والے ادیب کا ہےاس کی اہم مثالیں ہیں یہ دو اقتباسات ملاحظہ کیجئے

علی سردار جعفری ترقی پسند تحریک کے مخلص اور کمٹیڈ (Committed) مشاہیر میں تھے۔ وہ یکم اگست ۲۰۰۰ء میں فوت ہوئے۔ انہوں نے سویت یونین کو اپنی آنکھوں کے سامنے تحلیل ہوتے دیکھا اور اشترا کی نظام کے زوال کا المیہ خود اپنے وجود میں محسوس کیا۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ادبی رہنماؤں، ساتھیوں اور اہل قلم میں سے وہ واحد شاعر تھے جنہوں نے اس المیے کا نوحہ لکھا علی سردار جعفری کے تاثرات اس ذہنی کیفیت کا اظہار ہیں جو انہوں نے اس کے خاتمے پر محسوس کی اس کا پہلا جملہ یہ ہے کہ:

’’کیمونزم روس میں ختم ہوا ہے۔ ہمارے یہاں نہیں۔ کیمونزم دراصل ایک تصور ہے بہتر زندگی کا۔ جو کچھ سویت یونین میں تھا وہ کیمونزم نہیں تھا بلکہ وہ کیمونزم کی طرف جانے کا صرف ایک راستہ تھا......‘‘۔

یہاں علی سردار جعفری کے اس دکھ کا اظہار دیکھئے جو انہوں نے ’’الوداع‘‘ کے عنوان سے لکھی جانے والی نظم میں زوالِ روس پر کیا۔ علی سردار جعفری لکھتے ہیں:

الوداع اے سرخ پرچم، سرخ پرچم الوداع
اے نشانِ عزمِ مظلومانِ عالم الوداع

اے لباسِ آبروئے ابنِ آدم السّلام
اے ردائے سر برہنہ بنتِ مریم الودع

اے فراتِ تشنہ کامانِ جہادِ زندگی
قلزمِ تشنہ لبی کی موجِ برہم الودع

اے جلال کاوۂ آہن گرِ ضحاک کُش
اے زوالِ نخوتِ اسکندر و جم الودع

آفتابِ بطنِ گیتی کی شعاعِ شب شکن
اے متاعِ انقلابِ دورِ عالم الودع

اے خس و خاشاکِ گلشن کے لیے برقِ تپاں
روئے گُل پر پرتوِ خورشیدِ شبنم الودع

اے غرورِ دستِ محنت ، اے شکوہِ بے نوا
حشر تک دُنیا کرے گی تیرا ماتم الودع

تُو نے دیکھا ہے عروج اور تُو نے دیکھا ہے زوال
کاشِ پھر آئے نہ خوں باری کا موسم الودع

دیدۂ پُرنم سے کل دِل نے کہا تھا ''مرحبا''
کہہ رہی ہے آج لیکن چشمِ پُرنم ''الودع''

جس کی چنگاری کا اِک شعلہ تھی انگڑائی تری
دِل میں روشن ہے وہ آتش خانۂ غم الودع

رزم گاہِ خیر و شر میں یاد آئے گی تری
ہم ہیں اب اور لشکرِ ابلیسِ اعظم الوداع

یہ نظم علی سردار جعفری کی روس اور اشترا کی نظام سے گہری وابستگی کو ہی ثابت نہیں کرتی بلکہ اس نظام اور نظام آفریں ملک کے زوال پر دردمندی سے لکھے گئے

نوحے پر مشتمل ہے۔اس نظم کے مندرجات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جن تخلیقی کیفیات نے اس نظم کو جنم دیا وہ علی سردار جعفری کی سچی کیفیات ہیں۔اس نظم کے سرسری مطالعے سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ترقی پسند تحریک کا انسلاک روس اور اشتراکی نظام سے کس قدر گہرا تھا۔کیا ادبی مقاصد سے بھی زیادہ اس تحریک کے رہنما اسے اشتراکی نظام برپا کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔اس ادارتی دہشت گردی اور اقربا برادری کے ماحول میں جب مذہب ہی کو نظر انداز اور مذہبی قدروں کو پامال کیا جا رہا تھا مذہبی اصناف (حمد و نعت) کی کیا حوصلہ افزائی کی جاتی۔سو گزشتہ صدی کی پہلی نصف صدی میں نعت معاصر ادبیات میں پذیرائی حاصل نہ کر سکی۔

راقم کو سویت روس کی آزادی کے پہلے سال ماسکو، ثمر قند اور بخارا میں مذہبی آثار کی بے حرمتی کے شواہد دیکھنے کو ملے (مَیں نے ڈیڑھ مہینہ وہاں کی مساجد، مزارات، دانش گاہوں، میوزیم اور تاریخی عمارت میں ایسے کئی منظر دیکھے جو چھ سات گزشتہ عشروں کی مذہب دشمنی کے گواہ تھے) مساجد کی بربادی مذہبی کتابوں کی آتش سوزی، قرآن کریم کے پھٹے اوراق، مذہبی مخطوطوں کے اوراق، صفحہ بہ صفحہ ایک ڈالر فروخت ہوتے قلمی نسخے دیکھے جنہیں دنیا بھر سے آنے سیاح آثار قدیمہ، پرانے خطّی نمونوں کے طور پر خرید رہے تھے۔

اردو ادب کے اس دور (گزشتہ صدی کے دوسرے ربع) کے ادبی رسائل میں مذہبی مضامین و رسائل ایک طرف پارٹی لائن قبول نہ کرنے والے اہم اور مستند ادیبوں کا بھی بائیکاٹ کیا جاتا۔

یہ صورت حال سوویٹ روس کے ٹوٹنے تک جاری رہی تعجب ہے ہمارے نظریہ پسند روسی نظریہ سازوں سے بھی زیادہ مذہب گریز تھے جب روس کی رعایا اپنی آزادی کے پہلے سال کا جشن منا رہی تھے ___ روسی کیمونسٹ پارٹی کا ترجمان اخبار، پرودا،

بین ہورہا تھا____ روس میں کیمونسٹ پارٹی میں بین رہی تھی اور لینن کے مجسّمے گرائے جا رہے تھے اردو کے معروف شاعر علی سردار جعفری اشترا کی کے خاتمے کا رونا رو رہے تھے۔ان کی نظم ’الوداع اے سرخ پرچم‘ اسی کیفیت کی آئینہ دار ہے۔

اس دور کے اہم ادبی رسائل میں دُور دُور کہیں حمد و نعت دیکھنے کو نہیں ملتی۔

صبیح نے ’عصر حاصر کے انسان کی حیات روحانی‘ کے مسئلہ کی تیسویں شمارے کے آخر میں یک سطری نشاندہی کہہ کے، جہاں نعت کے امکانی سفر کی طرف توجہ دلائی ہے وہاں بین السطور آج کے دور میں روحانی خلا، معاشرتی انتشار اور روحانی اضطراب کے حل کے لیے دوسری سینکڑوں کوششوں کے ساتھ غیر محسوس طور پر مذہبی سرچشموں سے رجوع کا پیغام بھی دیا ہے کہ ایسی صورت حال میں نعت ایک اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔

ادبی انتشار، بے سروپا تماثیل، مبالغہ وتصنع کی فضا میں ادب کا کردار، جرم اور جنس کی ماری صحافت، ٹی وی، ٹک ٹاک موبائیل، یوٹیوب پر پھیلی ہوئی خرافات کی یلغار، مذہبی انتہا پسندی، دہشت گردی، فرقہ پرستی اور مذہبی انتہا پسندی، اَن پڑھ عالموں اور پڑھے لکھے جاہلوں کے بغض وعناد سے پُر مکالموں، نفرت، تشدد، لاعلمی، جہالت اور فتنہ وفساد پیدا کرتے علمی، مذہبی اور نشریاتی اداروں کی کوتاہ بین فراست قومی رہنماؤں، اقربا پرور مذہبی اقدار سے بے بہرہ سیاست، خودغرض بھتہ خور سیاسی ورکروں، اپنے حقوق سے بے بہرہ شہریوں اور اپنے فرائض سے لاتعلق ریاستی اداروں نے جس طرح انسان اندر کو مسخ کر دیا ہے۔اس میں ادب اپنا کردار کیسے ادا کرسکتا ہے؟ادب انسانی فلاح کا ضامن کیسے بن سکتا ہے ادب کی کون سی قدریں اس انتشار میں کارآمد ہوسکتی ہیں نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شائستہ اظہار اس ماحول میں کس طرح سکون بخش روحانی ترفع کی ترویج وتشہیر کا سبب بن سکتا ہے؟ یہ آج کے وہ سوالات ہیں جنہیں نعتیہ ادب کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے

بقول صبیح رحمانی:

''محمد حسن عسکری اردو کے پہلے بڑے نقاد ہیں جنہوں نے نعت بحیثیت صنفِ ادب اور نعت نگار بحیثیت تخلیق کار کو قدری مطالعے کا موضوع بنایا، یہ کام گزشتہ صدی کے وسط میں آکر ہُوا، یعنی کم و بیش ساٹھ پینسٹھ برس پہلے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اردو نعت کی تنقید کا سارا سفر بہ مشکل تمام چھ سات دہائیوں کو محیط ہے۔ عسکری صاحب کے بعد پھر ایک تعطل کا سا عرصہ گزرتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اس عرصے میں تنقیدِ نعت کا کوئی کام ہی نہیں ہوا۔ یقیناً ہُوا۔ ایک نہیں، کئی ایک نقاد کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن یہ کام اپنی نہج اور سطح پر اس نوع کا نہیں ہے، جیسا کہ عسکری صاحب کا کام ہے۔ البتہ گزشتہ تین چار دہائیوں میں اس حوالے سے جو کام ہُوا ہے وہ کیفیت اور کمیت ہر دو اعتبار سے اس سطح پر نظر آتا ہے کہ اسے ادب کی فکری اور قدری تنقید کے مساوی اور مرکزی ادب کا حصہ سے آج کے نام نہاد ترقی پسند، جدیدیت پسند اور روشن خیال ادیب بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں ہے، بلکہ یہاں ایک اور نکتہ بھی غور طلب ہے۔ اردو نعت کے تنقیدی تناظر کو دیکھتے ہوئے اگر اس کا موازنہ ادب کی کسی دوسری بڑی صنف مثلاً غزل، نظم، افسانہ یا ناول وغیرہ کے سیاق میں ہونے والی تنقیدی کام سے کیا جائے تو یہ دیکھ کر نعت کی صنفی فوقیت کا اعتراف بھی لازم آتا ہے کہ چھ سات دہائیوں کے قلیل عرصے میں جتنے اور جیسے موضوعات و عنوانات ہمارے ادب کی اس صنف کے دامنِ فکر میں سمٹ آئے ہیں، وہ ذرا کم کم ہی دوسری اصناف کے حصے میں آئے ہیں۔ ممکن ہے یہ بات کچھ لوگوں کے حلق سے نہ اُتر پائے۔ ان کی سہولت فہم کے لیے یہ اشارہ بے محل نہ ہوگا کہ وہ ذرا ایک بار تحمل سے بیٹھ کر یہ دیکھنے اور جائزہ لینے کی کوشش کریں کہ اردو غزل یا اردو افسانے یا کسی بھی

دوسری بڑی صنفِ ادب کے تنقیدی مطالعات کے پہلے ساٹھ ستر برس میں نقد و نظر کا جو کام ہُوا ہے، وہ کس نہج کا ہے اور یہ کہ اس میں مقدار اور معیار کے صورتِ حال کیا رہی ہے۔ اس صنف کے بڑے تنقیدی سنگ ہائے میل کیا تھے اس کے بعد وہ ان کا تنقیدِ نعت میں ہونے والے کام سے تقابل کر کے خود اندازہ لگا لیں کہ اس دورانیے میں ہمارے مرکزی ادب کی تنقید و تفہیم کے منظرنامے میں نقدِ نعت کا تناسب اور قدری حصہ کیا رہا ہے۔''

''یہ سوال ہے عصرِ حاضر کے انسان کی حیاتِ روحانی کا۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ عہدِ جدید کی ساری قوتیں انسان کی صرف وجودی زندگی کی بقا اور فروغ سے متعلق ہی نہیں ہیں، بلکہ اس پر اصرار بھی کر رہی ہیں۔ ان کا مقصد انسان کو ایک مشین کی طرح کی زندگی بسر کروانا اور اسی پر قناعت کرنا سکھانا ہے۔ وہ اس کے داخل میں موجود روحانی داعیے کی نفی کے لیے ہر ممکن کوشاں ہیں۔ یہ عمل انسان کا شرف اور اس کی فضیلت ختم کرنے کا مترادف ہے۔ دوسری مخلوقات اور اشیائے کائنات پر انسانی برتری کا جواز اس کا یہی روحانی داعیہ ہے۔ اگر یہ نابود ہو جائے تو اس کا شرف بھی بے جواز ہو جائے گا۔ یہ ہے وہ صورتِ حال جس کے حوالے سے ہم آج اردو نعت اور اس کے تخلیقی و تنقیدی تناظر کا مطالعہ کر کے اس کی اصل معنویت سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔''

۱۹۹۵ء میں صبیح رحمانی نے اپنے جس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ''نعتیہ شاعری کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جائے'' اس کا اعادہ انہوں نے ''نعت رنگ'' ۲۱ کے ابتدائیہ میں بھی کیا تھا کہ ''اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مَیں نے 'اقلیم نعت' کی بنیاد رکھی ___ نیز ___ ''نعت رنگ'' نے نعتیہ ادب میں تنقیدی بصیرت کی کمی کو پورا کرنے کی خواہش کے ساتھ اپنے اشاعتی سفر کا آغاز کیا اور اس کا پہلا شمارہ ہی 'تنقید نمبر' کے عنوان

سے سامنے آیا اور دنیا میں ''نعت رنگ'' کی اشاعت سے قبل اتنی ہمہ گیر تنقیدی آرا کبھی پیش نہیں کی گئی تھیں''۔

'نعت رنگ' نے اپنا یہ وعدہ اور عزم کس خوش اسلوبی سے نبھایا اس کے ثبوت میں مدیر نے 'اقلیمِ نعت' کی طرف سے ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۸ء تک شائع کی جانے والی جن کتب کی فہرست دی ہے ان کی تعداد ۱۸ ہے اُن میں زیادہ تعداد نعتیہ مجموعوں کی ہے مگر کچھ کتابیں خالص نقدِ نعت سے متعلق ہیں اس فہرست پر ایک نظر ڈالیے:

'اقلیمِ نعت' کی طرف سے 'نقدِ نعت' کے باب میں پیش رفت خوش آئند ہے آج جب کہ 'نعت رنگ' کا سفر دس پندرہ سال اور آگے نکل آیا ہے تو نعت رنگ/ نعت ریسرچ سنٹر کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد (۱۰۰ کے قریب) ایک باوقار ادبی ادارے کا اشاعتی گوشوارہ پیش کرتی ہے اب اس ادارے کی طرف سے تحقیق، تنقید اور تخلیقِ نعت کے مجموعے معیار اور مقدار دونوں حوالوں سے لائقِ تحسین ہیں ان کتابوں کے علمی و تحقیقی پائے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان دنوں جامعات میں نعت اور اس کے متعلقات کے حوالے سے ایم اے، ایم ایس، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے جو سندی مقالہ جات لکھے جا رہے ہیں ان میں 'نعت رنگ' کے ساتھ جگہ جگہ ان کتابوں کے حوالے بھی آ رہے ہیں جو نعت ریسرچ سنٹر نے شائع کی ہیں۔

نعت رنگ کی یہ ایک بڑی کامیابی ہے کہ نقدِ نعت کو باقاعدہ ایک نہج پر استوار کرنے کا جو خواب اس کے مدیر نے دیکھا تھا اور جس عزم کا اظہار اس کی پہلی اشاعت میں کیا گیا تھا وہ بطریقِ احسن پورا ہو رہا ہے نعت رنگ کی اشاعت کے ساتھ اقلیمِ نعت/ نعت ریسرچ سنٹر کی مطبوعات اور درج ذیل ویب سائٹس بھی سرگرم کار ہیں۔

www.sabihrehmani.com
www.naatresearchcenter.com
www.naatrang.net
www.visaaleyaar.com

جس سے نعت کے سکالر استفادہ کر رہے ہیں۔
خدماتِ نعت کے اس مبارک سلسلے پر جس کا آغاز صبیح رحمانی نے کیا وہ صد ہزار کلمات تحسین اور مبارکباد کے مستحق ہیں مَیں اپنے تاثرات اس دعائیہ نعتیہ نظم پر ختم کرتا ہوں

سنابلِ خیر

خیر کے بیجوں کی مثل ہوتے ہیں اچھے سخن
جب کبھی بھی، جہاں بھی ادا ہوں
بڑا ہی مبارک اثر رکھتے ہیں
بے خیالی میں بھی ہاتھ سے گر پڑیں
__ تو یہ بیج وقت آنے پر پھولتے پھلتے ہیں
اور ____
ماحول کو حیرت آثار
خوشبوؤں میں رچی نکہتوں کی مسرّت سے مسحور کر دیتے ہیں
یہ سخن ایسے آئینے ہیں
کہ ہر آتا ہُوا وقت اِن کی سدا رنگ شفافیت میں
اپنے چہرے کا ادراک کر سکتا ہے
ایسے الفاظ ہر دَور میں معنویت کی اک سطحِ تازہ کا اظہار کرتے ہیں
جو اُن کی زباں سے نکلتے ہیں
آتے زمانے کے حسّاس افراد پر ایسے انداز کی فکرمندی ہر اک جا چکی نسل کا قرض ہے
ذمہ داران اک فرض کی صورت اِس کو ادا کرتے ہیں
خیر کی بات ضائع ___ کبھی بھی نہیں ضائع جاتی
یہ اک مستقل اجر رکھتی ہے اپنا

یہ وہ سنابل ہیں جو شاخ در شاخ
اور نخل در نخل
اور باغ در باغ بڑھتے ہیں
اور چاروں سمتوں میں یہ پھولتے پھلتے ہیں
ان کو تحریر میں لانے والے اگر خاک کا رزق ہو جائیں تو یہ بھی لفظ اپنی بستہ توانائی
پھیلاتے رہتے ہیں

خدایا! سلامت رہیں یہ زبانیں
یہ مخلص ثنا گر!
یہ سرکارؐ کی نعت و مدحت پہ مامور افراد
یہ عقیدے کی توسیع کی مشعلیں
ہمیشہ رہیں سر بلند ایسے ہی
خدایا!
تیرے محبوب کے ذکر کی خوابناؤں کے تزئین گر
یہ حُبّ زاد سب کاغذی چاک پر نُور الفاظ سے روشنائی بناتے رہیں!
ہمارے خیالات کو خیر کی نُور پاش آگہی سے سجاتے رہیں!
اشاروں میں رمز آشنا حکمتوں کے عقب میں ہمیں اُس ہنر کے یہ امکاں سجھاتے رہیں!
جو تصور کو مہمیز کر رہتے ہیں

اور تا ابد جس سے امکاں کے گوشے مہکتے رہیں!
یا خدا! تا ابد یہ ثنا زاد پودے مہکتے ہیں
تا ابد خیر و خوبی کے یہ سرمدی خوشے ایسے مہکتے رہیں!

☆☆☆

وفیات:

’نعت رنگ‘ کے اداریوں کا ایک مستقل موضوع وفیات کا ہے’نعت رنگ‘ کے آغاز سے اس کی اکتیسویں شمارے تک کیسے کیسے نعت کار رخصت ہو گئے؟ نعت کے شاعر، ناقد، نعت خواں، نعت کا ذوق رکھنے والے اہلِ قلم___ اردو ادب سے وابستہ اہلِ قلم میں سنجیدہ نعت کاروں کی تعداد پہلے ہی کم تھی اب اور کم ہو رہی ہے صبیح نے اپنی معلومات کی حد تک سب کا غم کیا خصوصاً ’نعت رنگ‘ کے مصنّفین کی کمی کو دل سے محسوس کیا اُن کے ہر پرچے میں تازہ رحلت فرمانے والوں کے بارے میں تعزیتی جملوں کے ساتھ اُن کی خدماتِ نعت، کتب اور فکر و فن کے بارے میں بعض ایسے جملے بھی ہوتے ہیں جو جداگانہ تفصیلی مضامین کی بنیاد بن سکتے ہیں صبیح کی یہ کوشش رہی ہے کہ جانے والوں کی یادوں اور نعت کے بارے میں اُن کی خدمات کا کچھ ذکر محفوظ ہو جائے اِس ضمن میں نعت رنگ کے اداریوں میں تین طرح کی معلومات ملتی ہیں۔

۱۔ فوت ہونے والوں سے ذاتی تعلقات پر مشتمل یادوں کا اعادہ

۲۔ مرحومین کی کتب اور خدماتِ نعت کا ذکر

۳۔ اُن کے ادھورے کاموں کی نشاندہی (اور انہیں مکمل کرنے کے لیے اُن کے اہلِ خانہ اور لواحقین کی توجہ مبذول کرانا) وغیرہ۔

اگر توجہ سے ان ’وفیات ناموں‘ کو پڑھا جائے اور بین السطور اس دکھ کو محسوس کیا جا سکتا ہے جو اِن احباب کی وفات سے نعت اور ’نعت رنگ‘ کو پہنچا یہاں صبیح کی شخصیت کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے بقول میر انیس

ع جب احمدِ مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا؟

لیکن یہ بات بھی سچ ہے کہ بعض لوگوں کی کمی نہ صرف ہمیں اندر سے چیر جاتی ہے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کی رحلت کا گھاؤ اور بڑھتا جاتا ہے۔خصوصاً جب یہ خیال آتا ہے کہ 'نعت رنگ' اور دوسرے نعتیہ اداروں اور محبّانِ نعت کے ذریعے سے نعت کی صنف آج جس تیزی سے فروغ پارہی ہے تو خیال آتا ہے اگر وہ مرحومین آج موجود ہوتے تو عصرِ حاضر میں ہمہ پہلو نعت افزونی کا سال بہ سال بڑھتا ہوا گراف دیکھ کر کتنے خوش ہوتے!

پنجابی زبان کی ایک بولی ہے(بولی پنجابی زبان کی مختصر بلکہ شاید دنیا کی مختصر ترین صنفِ سخن ہے)

بہتے رون گے دلاں دے جانی
ماپے تینوں گھٹ رون گے

(اس کا مطلب ہے مرنے والے کواس کے والدین اور رشتہ دار کم روئیں گے اور واقفِ حال زیادہ یعنی اس کی رحلت کے دکھ سے پیدا ہونے والا خلا اور دکھ پر اُس سے محبت کرنے والے زیادہ روئیں گے۔)

نعت نے جس طرح نعت کاروں کو ایک قبیلے اور خاندان کی صورت دے دی ہے اس کی ایک شکل 'نعت رنگ' کی صورت میں جمع ہوئی تھی کیسے کیسے لوگ تھے جنھیں صبیح نے ڈھونڈ ڈھونڈ کے جمع کیا یا جو صبیح کے اخلاص اور نعت سے اُس کی وابستگی کے سبب 'نعت رنگ' کے کارواں میں شامل ہوئے اُن خوشبوؤں کی رحلت اور بندگانِ اخلاص کے بچھڑنے کا دکھ بلاشبہ ان کے عزیز و اقارب کو بھی ہُوا مگر اُن کی رحلت پر صبیح کی تنہائی میں بھی اضافہ ہُوا____ 'نعت رنگ' کے اداریوں میں وفیات کی یادوں پر مشتمل صبیح کے تاثرات دیے جارہے ہیں۔

اس مضمون میں وفیات کے حوالے زیادہ طویل ہوگئے جس کے لیے معذرت خواہ ہوں دراصل مرحومین کے لیے مدیرِ 'نعت رنگ' کے دلی جذبات، اُن کی شخصیت،

کردار اور خدمات نعت کے حوالے سے یاد یں، اُن کے بارے میں دی گئی معلومات، ان کی زندگی، مشاغل، نعت دوستی اور خدمات کے حوالے سے معلومات کی فراہمی، 'نعت رنگ' سے وابستہ ریسرچ سکالروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتی ہے کہ وہ ان کو اپنے تحقیقی وتنقیدی مطالعات کا حصہ بنائیں۔ واضح رہے کہ وفیات کے حوالے سے صبیح کے تاثرات مرحومین کے بارے میں رسمی اور سرسری تاثرات غم نہیں ان وفیات ناموں میں معاصر نعت کے پورے بیانیے کے تناظر میں مرحومین کی کارکردگی اور اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی نعت دوستی کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے صبیح کی دردمندی اور نعت کے بارے میں اُن کے تعلق خاطر نے ان وفیات ناموں کو دلگداز بنا دیا ہے دوسرے رسائل کی طرح اِن 'وفیات' کو یک سطری خبر، اظہارِ افسوس اور دعائے مغفرت میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے لیکن صبیح نے ہر موت کو اپنے اندر سے گزرتے محسوس کیا۔ بقول شاعر

کر گیا میری بھی جاں کا کوئی گوشہ خالی
مرنے والا کہیں مجھ میں بھی رہا کرتا تھا

کشفی صاحب کی وفات پر تو صبیح کے تاثرات کا بیان بہت ہی پُر تاثیر ہے یوں لگتا ہے جیسے یہ جنازہ ان کے صحنِ جاں سے اٹھا ہے۔ اس غم کی تفصیلات کشفی صاحب کے ذیل میں (آگے چل کر) آئیں گی۔

پروفیسر شفقت رضوی کی وفات پر وہ لکھتے ہیں:

O اردو کے ممتاز محقق، نقاد، افسانہ نگار اور نہایت اہم نعت شناس پروفیسر شفقت رضوی ۲۸ر دسمبر ۲۰۰۹ء کو کراچی میں انتقال کر گئے۔ اُن کا بنیادی شعبہ تدریس تھا لیکن انھوں نے شروع سے اپنی تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنی تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی صلاحیتوں پر بھی بھرپور توجہ دی۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے لیکن جلد ہی تحقیق وتنقید کی طرف متوجہ ہوئے اور اتنے انہماک اور دل جمعی کے ساتھ کام کیا کہ مختلف موضوعات پر

ان کی تقریباً چوبیس کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ ان میں دکنیات پر پانچ، حسرت شناسی پر آٹھ اور متفرق موضوعات پر آٹھ کتب شامل ہیں جب کہ نعت شناسی کے حوالے سے ان کی کتب ''اردو میں نعت گوئی''، ''اردو میں حمد گوئی'' اور ''نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ'' شامل ہیں۔ شفقت رضوی نہایت منکسر المزاج اور گوشہ نشیں طبیعت کے مالک تھے۔ میری ان سے ملاقات ۱۹۹۶ء میں ہوئی۔ مَیں نے انھیں ''نعت رنگ'' کے دو شمارے پیش کیے اور پھر ایک تعلق قائم ہو گیا۔ مَیں گاہے گاہے انھیں نعت کے حوالے سے کتب فراہم کرتا رہا اور پھر اللہ کی رحمت سے وہ نعت شناسی کی طرف متوجہ ہوئے اور تواتر سے اِس موضوع پر لکھنے لگے۔ وہ نہایت غیر جانب دار اور جارح مبصر و نقاد کے طور پر سامنے آئے جس کے لیے شعبۂ نعت کے اکثر احباب ذہنی طور پر تیار نہ تھے، کیوں کہ یہاں تو دل جوئی کا موسم صدیوں سے ڈیرے ڈالے ہوئے تھا سو مَیں نے اور شفقت رضوی نے کئی دیرینہ دوست کھو دیے انھوں نے ''نعت رنگ'' کے لیے بہت لکھا طویل جائزے، مضامین، تبصرے، دریافت کے عنوان سے کئی اہم اور نادر نعتیہ شہ پاروں کی تلاش اور تعارف ہر شمارے میں اُن کی کوئی نہ کوئی تحریر شائع ہونے لگی اور یوں نعتیہ ادب کو ایک معتبر اور صاحب الرائے نعت شناس مل گیا۔ ۲۰۰۴ء میں ان کی کتاب ''نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ'' زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی جس میں انھوں نے ''نعت رنگ'' کے پندرہ شماروں کے مشمولات کا تنقیدی جائزہ لیا اور اس جائزے میں تنقیداتِ نعت پر خصوصی توجہ دی۔ ''نعت رنگ'' میں نعت کے فنی اور فکری مسائل پر چھڑنے والے مختلف مباحث پر گہری نظر ڈالتے ہوئے آپ نے فریقین کے موقف کو واضح کیا اور پھر آخر میں تجزیہ کرتے ہوئے اپنی رائے بھی پیش کی۔ یوں یہ کتاب نعتیہ ادب میں تنقید پر تنقید کے ادبی و تنقیدی رویوں کو سامنے لاتے ہوئے ایک اہم اور حوالہ جاتی کتاب قرار پائی۔ آخر میں شفقت رضوی نے پندرہ شماروں کا اشاریہ بھی شاملِ کتاب کیا جس سے کتاب مزید وقیع اور مصنف زیادہ معتبر ہو کر نمایاں

ہوئے۔ کچھ عرصے بعد انھیں اپنے بچوں کے ساتھ امریکا منتقل ہونا پڑا۔ اِس تبدیلی کے لیے نہ وہ قلبی طور پر آمادہ تھے نہ ذہنی طور پر، امریکا سے اکثر اُن کے خطوط موصول ہوتے رہے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ وہاں خوش نہیں ہیں۔ زندگی بھر کام کی دھن اور لگن میں وہ قرطاس وقلم سے ایسے وابستہ ہو چکے تھے کہ اب اس سے وقتی جدائی بھی انھیں ناآسودہ کر دیتی تھیں۔ مَیں اکثر انھیں یہاں سے کتب ارسال کرتا جس پر اپنی رائے کا اظہار وہ اپنے خطوط میں کرتے تھے۔ گویا یہ علمی تحفے انھیں وہاں تر وتازہ رکھنے کا کام سرانجام دیتے تھے لیکن وہ وہاں بھی خاموش نہیں بیٹھے بلکہ انھوں نے اپنی یادداشتیں مرتب کرنا شروع کر دی اور اس کے کچھ حصے انھوں نے ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری صاحب کو ارسال بھی کیے اور ''نعت رنگ'' کے لیے بھی کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔ برکت اللہ بھوپالی اور حسرت کی صحافیانہ زندگی پر بھی انھوں نے کتابیں وہیں مرتب کی پھر اچانک اُن کی طبیعت کی خرابی اور وطن واپسی کی خبر آئی۔ ڈیفنس میں اپنے ایک دوست پروفیسر انیس زیدی کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ معلوم ہُوا کہ وطن کی محبت انھیں واپس کھینچ لائی ہے اور یہاں رہ کر مزید کام کرنے کے آرزومند ہیں۔ مجھ سے کہا کہ کوئی موضوع دو، میں حج پر جانے والا تھا میں نے انھیں کافی مرادآبادی کی کتب کی عکسی نقول دی اور کہا اس پر کام کریں۔ بخوشی راضی ہو گئے کوئی بیالیس دن بعد میں واپس لوٹا تو معلوم ہوا کہ طبیعت بہت خراب ہے اور آئی سی یو (ICU) میں ہیں۔ ہسپتال گیا مگر ملاقات نہ ہو سکی گھر چلا آیا، اسی رات یہ اطلاع آ گئی کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اپنے کسی خط میں انھوں نے مجھے ایک شعر لکھا تھا جو آج ان کے نصب العین کے طور پر ذہن میں تازہ ہو رہا ہے:

کچھ ایسے کام کرلو جو تم کو زندہ رکھیں
صدیاں کشید کرلو لمحوں کی زندگی سے

شفقت رضوی اپنے اس نصب العین میں کامیاب رہے اس کا گواہ صرف میں ہی نہیں ہماری پوری ادبی دنیا ہے۔

O مظفر وارثی (مرحوم)

مظفر وارثی اُفقِ نعت پر اپنے والہانہ پن، اپنی مترنم بحور، خوب صورت اور تازہ کار شعری اسلوب کی وجہ سے ایک جداگانہ شناخت رکھتے تھے۔ ایک تخلیق کار کی حیثیت سے انھوں نے اپنے شعری وجود کو منوانے کے لیے غزلیں کہیں، فلمی گیت لکھے، قطعات کہے ہر وہ کوشش و کاوش جو ایک شاعر وادیٔ حرف ولفظ میں زندہ نقش قائم کرنے کی تمنا میں کرتا ہے مظفر وارثی نے بھی کیں، لیکن قدرت ان کے اس سارے شعری سفر کو راستہ بنا کر منزلِ ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دیا اور یہیں سے مظفر وارثی کی خوش بختی نمایاں ہوتی چلی گئی۔ انھیں مدحتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چن لیا گیا تھا اور اس کے اشارے انھیں خواص وعوام کے انداز پذیرائی سے ملنا شروع ہوئے تھے۔ وہ بہت جلد ہی اس شعور کو پا گئے کہ نعت ہی ان کے قلم کی آبرو ہے۔ ۱۹۷۲ء میں مظفر وارثی نے خود کو نعت کے لیے وقف کر دیا اور قدرت نے عزت، شہرت، نیک نامی اور مقبولیت کی نعمتوں سے ان کا دامن مالا مال کر دیا۔

غزل میں بھی مظفر وارثی حق بات کہتے تھے
مگر پھر بھی ہماری نعت غزلوں کی تلافی ہے

اس خلوص اور یقین نے ان کے اندازِ ثنا گوئی کو مزید نکھار عطا کیا اور انھوں نے 'بابِ حرم'، 'نورِ ازل'، 'الحمد'، 'کعبۂ عشق'، 'دل سے درِ نبی تک'، 'میرے اچھے رسول'، 'صاحب التاج' اور 'اُمی لقبی' کے نام سے اپنے کئی شعری نذرانے کتابی صورت میں پیش کر کے اپنی عقیدتوں کو نمایاں کیا۔ ان کی نعت گوئی نعتیہ ادب میں بیان کی تازگی، عشق کی سرشاری اور والہانہ پن کے باب میں ہمیشہ حوالہ بنتی رہے گی۔ ان کی آواز کی مٹھاس اور مخصوص و دل نشیں ترنم ان کی نعت کے وسیع تر ابلاغ میں معاونت کے ساتھ ساتھ مقبولیت میں اضافے کا باعث بنا اور ان کی آواز میں ان کی نعتیہ نظمیں اور نعتیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ حکومتی ایوانوں سے لے کر اسکولوں اور کالجوں تک ان کی گونج

سنائی دیتی تھی خواص اور عوام میں مقبولیت اور پذیرائی کی کوئی ایسی دوسرے مثال ہمارے سامنے نہیں۔

''نعت رنگ'' سے انھیں خاص محبت تھی اور اس کا اظہار انھوں نے کئی جگہ تحریری طور پر بھی کیا اور اکثر خطوط میں اپنی محبتوں، مشوروں اور رہنمائیوں سے نوازتے رہے۔ جب میں بطورِ پروڈیوسر کیو ٹی وی (Qtv) میں آیا تو مَیں نے عصرِ حاضر کے بارہ مقبولِ نعت گو شعرا پر پروگرام ریکارڈ کرنے کا ارادہ کیا، اسی سلسلے کا ایک پروگرام مظفر وارثی صاحب کے ساتھ بھی ریکارڈ ہُوا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ باوجود علالت کے اس پروگرام میں تشریف لائے اور آخر تک موجود رہے۔ یاد کرتا ہوں تو اس محفل کا تقدس اور روحانیت آج بھی قلب پر سکینت بن کر برسنے لگتے ہیں۔ ساری محفل میں سرشاری کی ایک فضا قائم تھی۔ مظفر وارثی صاحب نعت خوانوں سے اپنی نعتیں سن کر خود بھی اشکبار ہوتے رہے اور حاضرین و سامعین کو بھی رُلاتے رہے۔ پروگرام کے اختتام پر جب میں ان سے ملا تو وہ دیر تک میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر میری طرف دیکھتے رہے۔ گویائی سلب ہو چکی تھی لیکن آنکھوں کی نمی اور چہرے کا اطمینان مجھ سے مخاطب تھے۔

لکھی ہے ہر ورق پہ محمد کی داستاں
پڑھتا رہے گا وقت جسے وہ کتاب ہوں

میری آنکھیں بھی بھیک گئیں۔ پھر ۲۸ر جنوری ۲۰۱۱ء کو اسلام آباد میں خبر ملی کہ باغِ رسالت کا یہ خوش نوا عندلیب اس یقین کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا ہے۔

مجھ کو نہ کر سکے گی جدا ان سے موت بھی
دریائے کائنات ہیں وہ میں حباب ہوں

○ پروفیسر جعفر بلوچ (مرحوم)

دوستو جشنِ تعیش میں نہ لے جاؤ مجھے
مجھ کو فقر شہ والا سے حیا آتی ہے

وادیٔ نعت میں اس طہارت فکر ونظر اور نازک خیالی کے ساتھ داخل ہونے اردو کے ممتاز اور پختہ کار نعت گو جعفر بلوچ ۲۷/ اگست ۲۰۰۸ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ’بیعت‘ ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ جسے جدید اردو نعت کے نمائندہ مجموعوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں بے ساختگی، ردیفوں کی ندرت، قوافی کی جدت گہری اور معنی خیز رعایتیں اور تراکیب کی تازہ کاری انھیں ایک صاحبِ اسلوب شاعر کی حیثیت سے نعتیہ منظرنامے پر نمایاں کرتی ہیں۔ جعفر بلوچ بطورِ نعت شناس بھی خاصے فعال رہے، اس حوالے سے ان کے اکثر مضامین ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں، سیارہ کی مختلف اشاعتوں اور ''نعت رنگ'' کے صفحات پر آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' سے بھی اُن کا گہرا تعلق رہا۔ انھوں نے ''نعت رنگ'' میں اور ''نعت رنگ'' پر بہت کچھ لکھ کر ہمیشہ اپنی محبتوں سے نوازا۔ آج بھی ان لمحات کو یاد کر کے آنکھیں بھر آتی ہیں جب ڈاکٹر تحسین فراقی، پروفیسر حفیظ تائب، پروفیسر جعفر بلوچ اور مَیں، لاہور میں اکٹھے ہوکر کہیں کھانے پر جاتے اور گھنٹوں ''نعت رنگ'' اور نعت کے فروغ کے امکانات پر گفتگو رہتی۔ تب کھلتا کہ جعفر بلوچ کی تنقیدی نظر بھی اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر کتنی گہری ہے۔ نعت کا یہ عظیم خدمت گزار جاتے ہوئے کتنی خوب صورت تمنا کو زادِ راہ کے طور پر ساتھ لے گیا، اللہ اکبر!

میرا ہو یہی سرورقِ نامۂ اعمال
نعت آپ کی مجھ کو علمِ فتحِ مبیں ہو

O ڈاکٹر عاصی کرنالی (مرحوم)

اس شہر میں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں صدیاں
اک لمحہ گزر جائے اگر بے خبری کا

مدینۃ الرسول کے ادب پر مبنی یہ نازک سا شعری احساس ہر بار حاضری کو ادب کی نئی لطافتوں سے ہم کنار کرتا ہے اور یوں عاصی کرنالی حضوری کے تجلی آثار موسموں

میں چپکے سے میرے ہمراہ ہو لیتے ہیں کسی نعت گو کے لیے یہ انعام کم نہیں کہ وہ اپنے شعر کے ساتھ سفر کرتا ہوا آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں زائرین کے دل و دماغ میں موجود رہ کر حاضری دینے لگے۔

عاصی کرنالی کو مرحوم لکھتے ہوئے دل کٹتا ہے، کتنے زندہ دل اور خوش مزاج آدمی تھے جو ایک باران سے مل لے ان کا ہو جاتا تھا۔شوخی، ذہانت، جملے بازی، خوش اخلاقی اور دل جوئی جیسے اوصاف نے مل کر عاصی صاحب کو باغ و بہار شخصیت بنا دیا تھا۔ تنقید، تحقیق، افسانہ نگاری، خاکہ نگاری، سفرنامہ، غزلیں، مناقب، مراثی، انھوں نے جس طرف رُخ کیا اپنے جوہرِ تخلیق سے گلستاں آباد کیے مگر نعت ان کے مزاج میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ ان کے سرمایہ تخلیق کا غالب حصہ ہمیں نعت ہی پر مشتمل نظر آتا ہے۔ ''مدحت''، ''نعتوں کے گلاب''، ''حرف شیریں'' اور ''آوازِ دل'' ان کی نعتوں کے مجموعے اور ان کی عقیدتوں کا شعری منظرنامہ ہیں۔تقریباً سو سے زیادہ کتب نعت پر ان کے مقدمے، مضامین اور فلیپ موجود ہیں۔معاصر رسائل و جرائد میں نعتیہ ادب پر اُن کے مضامین گاہے گاہے شائع ہوتے رہے۔''نعت رنگ'' کے آغاز ہی سے وہ اس تحریک کا حصہ رہے اور قلمی سرپرستی کرتے رہے۔ان کے کئی مضامین ''نعت رنگ'' میں بھی شائع ہوئے۔ شعبۂ تدریس سے وابستہ تھے، مگر نعت سے اخلاص دیکھیے کہ ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد ''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ یہ مقالہ ''اقلیمِ نعت'' نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا۔۲۰/جنوری ۲۰۱۱ء کو اپنی تخلیقی زرخیزی سے نعتیہ شاعری سنوارنے اور نکھارنے والا یہ خوب صورت اور صاحبِ اسلوب شاعر اپنی نعت گوئی کو اپنی عاقبت کا توشہ بنا کر یقین کی اس روشنی کے ہمراہ قبر کی تاریکی میں جا سویا:

کفن میں رکھ لیا تھا ایک کاغذ نعتِ روشن کا
یہ کاغذ قبر کی ظلمت میں عاصؔی میرے کام آیا

○ عبدالعزیز خالد (مرحوم)

عبدالعزیز خالد بھی ۲۸؍جنوری ۲۰۱۰ء کو ہم سے جدا ہوگئے وہ اردو کے منفرد شاعر تھے۔کئی زبانوں سے واقفیت اور کئی تہذیبوں کے گہرے تاریخی اور سماجی مطالعے نے ان کے شعری اسلوب کو ایک ایسا منفرد رنگ و آہنگ عطا کیا تھا جس کی مثال ہمیں اردو کے شعری سرمائے میں اس سے پہلے نظر نہیں آتی۔انھوں نے عوامی مقبولیت اور حصولِ شہرت کے لیے کسی خارجی معیار کی پروا نہیں کی وہ موضوع بھی اپنی مرضی کا تلاش کرتے تھے اور اظہارِ خیال کا اسلوب اور لہجہ بھی اپنا ہی رکھتے تھے۔نعت گوئی کے حوالے سے بھی عبدالعزیز خالد کا کام خاصا وقیع ہے۔انھیں اس موضوع سے خصوصی لگاؤ تھا۔ان کے نعتیہ شعری مجموعے فارِقلیط، ماذ ماذ، منحمنا، حمطایا اور عبدہ اردو نعت کے کینوس کو وسیع تر کرنے کی کامیاب کاوشیں ہیں۔عبدہ میں انتساب کے نام سے شامل ایک طویل نظم میں سے چند مصرعے ملاحظہ فرمائیں۔

مَیں نے لکھا ہے محبّو اس کتاب نعت کو

اہل دل اہلِ نظر اہل محبت کے لیے
اہل دانش، اہل درد، اہل درایت کے لیے
اہل نور، اہل شعور، اہل شہادت کے لیے
اہل حق، اہل یقیں، اہل امانت کے لیے
سرفروشانِ وقارِ آدمیت کے لیے
عاشقانِ حسن واحسان وصداقت کے لیے
داعیانِ دعوت احیائے اُمت کے لیے
وارثانِ ورثہ توحید وطاعت کے لیے
کشتگانِ نام وناموس رسالت کے لیے
ہے یہی فردِ عمل میری قیامت کے لیے

پیش کرتا ہوں جیسے مہر نبوت کے لیے
اَز رِہ تصدیق تم بھی دستخط اِس پر کرو

آ ییے ہم سب اردو کے اس منفرد نعت کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے اُن کی اس خواہش کو پورا کریں۔

○ شبنم رومانی (مرحوم)

کریں زیارتِ سرکار کی دعائیں ہم
مگر وہ ہاتھ وہ آنکھیں کہاں سے لائیں ہم؟
بس اک لباس ہمارا لباسِ عشقِ رسولؐ
رُتوں کے ساتھ بدلتے نہیں قبائیں ہم
بس ایک راہ ہماری، صراطِ مصطفویؐ
کبھی بھٹک کے نہ جائیں گے دائیں بائیں ہم

جب بھی شبنم بھائی یاد آتے ہیں ان چند شعروں کی گنگناہٹ مجھے اپنی روح میں محسوس ہوتی ہے۔ شبنم رومانی جتنے خوب صورت اور نازک احساسات کے شاعر تھے اتنی ہی خوب صورتی اور نفاست اُن کی شخصیت اور کردار میں تھی نوجوان شعرا کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی انھوں نے خود پر فرض کر لی تھی اور یہ فرض وہ اپنے ادبی رسالے ''اقدار'' سے آخری عمر تک ادا کرتے رہے۔ تمام عمر رومانی غزلیں لکھیں لیکن پیر فاروق رحمانی مدظلہ کی صحبت اور قربت نے انھیں نعت کی طرف بالالتزام متوجہ کیا۔ نعت وہ پہلے بھی کہتے تھے مگر رحمانی سلسلے میں بیعت ہونے کے بعد ان کی نعت فکری سطح پر مزید گہری اور فنی سطح پر اور زیادہ روشن ہو گئی تھی۔ انھوں نے غزلیہ انداز میں بھی خوب صورت نعتیں لکھیں مگر ان کی نعتیہ نظموں نے مجھے ہمیشہ زیادہ متاثر کیا۔ ۱۹۹۵ء میں شبنم بھائی، محسن بھوپالی، عزیز احسن، شمس وارثی، وضاحت نسیم اور مجھے ایک ساتھ حج کی سعادت ملی اور مکہ مکرمہ میں ایک خصوصی مشاعرے میں ہم سب نے نذرانۂ نعت پیش

کیا۔سب شعرانے اپنی باری پر کلام پیش کیا،شبنم بھائی صدر مشاعرہ تھے انھوں نے بحیثیت صدر مشاعرہ کلام پیش کرنے سے پہلے ایک بار پھر مجھے پڑھنے کا حکم دیا اور دیر تک مجھ سے نعتیں پڑھواتے رہے، درحقیقت یہ ان کا چھوٹوں سے پیار اور ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک تعلق کا اظہار تھا، وہ بعد میں بھی کئی مقامات پر اس محبت کا اظہار کرتے رہے۔اکثر مجھ سے اپنے نعتیہ مجموعے کی اشاعت پر بات کرتے جس کا نام انھوں نے ''عطر خیال'' سوچا ہوا تھا۔ میں نے ان کی نعتوں کا ایک گوشہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۲ میں شائع کیا گیا تھا جسے بہت پسند کیا گیا خدا کرے ان کے متعلقین ان کے نعتیہ سرمائے کو جلد شائع کروانے کی سعی فرمائیں۔ ۱۷رفروری ۲۰۰۹ء کو شبنم بھائی ہم سے جدا ہوئے خدا کرے انھیں ان کے مرشد کی یہ بشارت منزل نجات تک پہنچا دے۔آمین

کہا یہ مجھ سے مرے مرشدِ گرامی نے
کہ جا! یہ نعت ہی پروانۂ نجات ہوئی

○راغب مرادآبادی (مرحوم)

راغب مرادآبادی کا شمار عصرحاضر کے قادرالکلام شعرا میں ہوتا تھا۔مختلف اصنافِ شاعری میں ان کا بہت سا کام سامنے آتا رہا مگر ان کی رُباعی گوئی اور عروض دانی کا ایک زمانہ معترف تھا،نعت ان کا محبوب موضوع رہی۔سونعتیہ اشعار (۱۹۷۸ء) مدحت خیرالبشر (۱۹۷۹ء) غالب کی زمینوں میں نعتیں) مدحِ رسولؐ (۱۹۸۳ء صنعت غیرمنقوطہ میں نعتیں اور رُباعیاں) بحضور خاتم الانبیاء (۱۹۸۶ء) بدرالدجیٰ (۱۹۹۱ء) ایک انتخابِ نعت ''محمدؐ'' (۱۹۹۳ء) جس میں ۱۶۷ شعرا کی نعتیں شامل ہیں اور جادۂ رحمت (۱۹۹۳ء منظوم سفرنامہ حرمین۔رباعیات) آپ کی وہ کتب ہیں جو نعتیہ ادب کے فروغ میں آپ کی خدمات کی یادگار کے طور پر ہمیشہ روشن رہیں گی۔ ۱۹رجنوری ۲۰۱۱ء کو ہم سے جدا ہونے والے راغب مرادآبادی کا یہ شعر انھیں ہم سے کبھی جدا نہیں

ہونے دے گا:

مَیں کہ اے راغب انھی کا ہوں غلامِ کمتریں
اُن کے قدموں سے لپٹ جاؤں تو ٹھکرائیں گے کیا؟

O خواجہ شوق (مرحوم)

عظمتِ آقا کا قد ہے کتنا اونچا دیکھنا
عمر بھر دیکھا کیے پھر بھی نہ آیا دیکھنا

یہ خوب صورت شعر حیدر آباد دکن بھارت کے معروف نعت گو شاعر خواجہ شوق کا ہے جو حیدر آباد، دکن کے اساتذہ فن میں شمار کیے جاتے تھے۔ شاعری کی فنی، ادبی اور تہذیبی اقدار پر ان کی گہری نظر تھی ان کی غزلوں کا مجموعہ چشمِ نگراں (۱۹۸۴ء) میں شائع ہُوا لیکن جلد ہی وہ نعت نگاری کی طرف مائل ہوگئے وہ اسی کو اپنا فن اور زندگی بنا لیا۔ ۱۹۹۵ء میں ان کا پہلا مجموعہ نعت ''صل علیٰ'' شائع ہوا جب کہ دوسرا مجموعہ ''سلموا تسلیما'' ۲۰۰۸ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ ۱۵/مارچ ۲۰۱۱ء کو یہ نہایت اہم نعت گو اہلِ محبت کو شعور کی یہ روشنی تقسیم کرتا ہوا۔ دنیا سے رخصت ہوا:

روح میں اُن کی محبت کا اُجالا بھر لو
ایک دن جسم کو مٹی میں فنا ہونا ہے

O نور احمد میرٹھی (مرحوم)

نور احمد میرٹھی کو علم و ادب سے گہرا شغف تھا، وہ میدانِ تحقیق و تالیف کے اَن تھک مسافر تھے ان کی ترتیب و تالیفات پر مبنی کئی کتب منظر عام پر آ چکی ہیں لیکن نعتیہ ادب پر تذکرہ نگاری کے حوالے سے ان کے کام کو تاریخ ادب کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ انھوں نے پہلے ''نورِ سخن'' کے نام سے غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کا ایک انتخاب

۱۹۸۸ء میں پیش کیا پھر تذکرہ نگاری کی جانب متوجہ ہوئے اور ''بہر زماں بہر زباں''
کے نام سے غیر مسلم نعت گو شعرا کا ایک عالمی تذکرہ مرتب کیا جو پہلی بار ۱۹۹۶ء میں
شائع ہوا جب کہ اس کا دوسرا ایڈیشن مزید اضافوں کے ساتھ ۲۰۰۶ء میں سامنے آیا جو
ایک ہزار آٹھ (۱۰۰۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں ''گلبانگ وحدت''
(غیر مسلموں کی حمدیہ شاعری کا تذکرہ اور انتخاب) ۲۰۰۷ء میں اور ''بوستانِ عقیدت''
(غیر مسلم شعرا کا رثائی کلام و تذکرہ) ۲۰۰۷ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ اس
طرح دینی شاعری کے حوالے سے تذکرہ نگاری نور احمد میرٹھی کا ایسا اختصاص بن جاتی
ہے جس کی کوئی اور مثال ہمارے سامنے نہیں ہے۔ نور میرٹھی نے متعدد نعتیہ کتب کی
اشاعت میں معاونت کے ساتھ ساتھ کئی مجموعہ ہائے نعت پر دیباچے اور فلیپ بھی لکھے
جس سے آپ کی تنقیدی بصیرت بھی نمایاں ہوئی، بلاشبہ نور احمد میرٹھی نے جو کام کیا وہ
اداروں کا تھا مگر وہ کام آپ نے تن تنہا سرانجام دیا نعتیہ ادب کے فروغ میں نور احمد
میرٹھی کے نام اور کام کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انور مسعود کا شعر یاد آتا ہے:

انوؔر مرے دیوان میں ہے نعتِ پیمبر
کیا توشۂ عقبیٰ ہے مرے رختِ سفر میں

نور احمد میرٹھی بھی اسی توشۂ آخرت کو لے کر ۱۸؍جون ۲۰۱۱ء کو اس سفر پر روانہ
ہوئے جو ہم سب کا نصیب ہے۔

O ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی (مرحوم)

مدحِ نبی میں شعر کا کہنا آساں بھی دشوار بھی ہے
جوشِ عقیدت بھی غالب ہے حدِّ ادب، دیوار بھی ہے

ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی کا یہ خوب صورت شعر نہ صرف ان کی دلی کیفیت کا آئینہ
نہیں بلکہ ہر عہد کے نعت نگاروں کا اعتراف ہے لیکن یہ اعتراف ڈاکٹر صاحب کے
ہاں جس خوب صورتی، سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ سامنے آیا ہے اس پر داد دینی

ہی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی متعدد شعری کتب شائع ہوئیں جن میں ''وحدت و مدحت''، ''المدثر'' اور ''الرحمٰن'' حمد و نعت کے مجموعے ہیں۔ نعت گوئی سے ڈاکٹر صاحب کو دلی لگاؤ تھا، اسی لیے وہ نہ صرف خود حمد و نعت کی روشن فضاؤں میں رہتے تھے بلکہ انھوں نے اپنے دوستوں اور متعلقین کے لیے بھی ایک ایسا سلسلہ شروع کیا تھا جس کی وجہ سے ان نورانی فضاؤں کا دائرہ دن بہ دن وسیع ہوتا رہا۔ ''مجلسِ احبابِ ملت'' کے نام سے ڈاکٹر صاحب نے اور ان کے احباب نے ایک بزم قائم کی جو گزشتہ تقریباً ۲۵ سالوں سے سالانہ نعتیہ مشاعروں کا اہتمام کرتی ہے اور ان مشاعروں میں پڑھے جانے والے کلاموں کو ایک گلدستہ کی شکل میں جمع کر کے ''انوارِ حرم'' کے نام سے شائع کر دیا جاتا تھا۔ ''انوارِ حرم'' کے ۱۹ شمارے نعت ریسرچ سینٹر میں محفوظ ہیں جس میں کراچی کے نام وَر شعرا کے بے شمار نعتیہ کلام جمع ہیں اس طرح ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف خود اپنی نعت گوئی کے ذریعے فروغِ نعت میں حصہ ڈالا بلکہ مجلس احباب ملت کے نعتیہ مشاعروں کا انعقاد کر کے ہزاروں شعرا کی عقیدتوں کو محفوظ کرنے کا سامان بھی کیا۔ ۹ر مئی ۲۰۱۱ء کو ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہوا۔

شکر ہے کہ نعت گو میں نام اپنا ہے جمیل
مغفرت کا آخرت میں قیمتی سامان ہے

o سجاد سخن (مرحوم)

سجاد سخن ایک طویل عرصے تک اپنی نظموں اور غزلوں کی دل آویزی اور قادرالکلامی کے حوالے سے جانے جاتے تھے۔ میں نے اپنے شعری سفر کے آغاز میں جن مشاعروں میں سجاد سخن کے ساتھ پڑھا، اساتذہ کو بھی ان کا احترام کرتے دیکھا لیکن اس احترام کے باوجود سجاد سخن کی درویشانہ طبیعت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، انھیں کبھی مشاعروں میں تقدیم و تاخیر کے معاملے میں الجھتے نہیں دیکھا گیا۔ ان کا نام جہاں پکارا جاتا وہ پڑھتے اور ان کے پڑھنے سے احساس ہو جاتا کہ کوئی ہے جس کے پاس

کہنے کو بھی بہت کچھ ہے اور بیان کا سلیقہ بھی، سو وہ مشاعرے میں اپنے حصے کی داد سمیٹتے رہے۔ ادھر چند برسوں پہلے دبستانِ وارثیہ کے نعتیہ مشاعروں اور اختر لکھنوی و قمر وارثی کی صحبت نے اُن کے اندر ایک بڑی تبدیلی پیدا کی۔ رومانوی نظمیں لکھنے والا شاعر دربارِ رسالت مآب ﷺ میں اپنے اشعار کے ذریعے حاضری کی لذت سے آشنا ہونے لگا اور یہ حاضری حضوری میں بدلنے لگی:

ایسا لگتا ہے ہر اک نذرانۂ مدحت کے بعد
مجھ پہ طیبہ کی مسافت کے دریچے کھل گئے
اے سخن فیض درود و مدحتِ سرکار سے
مجھ پہ خود میری حقیقت کے دریچے کھل گئے

اور ان دریچوں سے آنے والی روشنی نے سجاد سخن کو جادۂ رحمت کا مسافر بنا دیا۔ ''رنگ روشنی خوشبو'' (۱۹۹۵ء)، ''ربّ العالمین'' (۲۰۰۱ء) اور ''حاضر و حضوری'' (۲۰۰۸ء) ان کے حمدیہ و نعتیہ شاعری کے مجموعے سے ہیں جو ایک کے بعد ایک سامنے آنے لگے اور وہ جادۂ رحمت پر سفر کرتے ہوئے یقین کی اس منزل تک آ پہنچے:

مشتمل ہے ذکر آقا پر کتابِ زندگی
وقت نے کتنا بدل ڈالا نصابِ زندگی

۱۷ر جون ۲۰۱۱ء کو اچانک سجاد سخن کے انتقال کی خبر ملی۔ معلوم ہوا کہ اُن کا کوئی تازہ حمدیہ مجموعہ بھی اشاعت کے لیے تیار ہے جسے وہ مکمل کر چکے تھے۔ سجاد سخن کے جانے کا ملال تو زندگی بھر رہے گا مگر خوشی اس بات کی ہے کہ وہ اپنا توشۂ آخرت تیار کر چکے تھے۔

مدحت سرکار کا زادِ سفر رکھتا ہوں ساتھ
جانے کب پرواز کر جائے عقابِ زندگی

O ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی (مرحومہ)

ہندوستان کے صاحبانِ علم میں سے کوئی دوست ڈاکٹر صاحبہ کے نعتیہ ادب کے حوالے سے لکھے گئے دیباچوں، مضامین، مقالات اور فلیپ کو جمع کرکے ایک مجموعہ کی صورت میں پیش کردے تاکہ ڈاکٹر صاحبہ کی تحقیقی و تنقیدی بصیرت پر مشتمل یہ کتاب نعت کے ادبی کارواں کو مزید ارفع منازل کی طرف لے جائے۔

O شفیق احمد فاروقی المدنی (مرحوم)

ممتاز و محترم روحانی پیشوا اور خوبصورت نعت گو شاعر قاضی شفیق احمد فاروقی کراچی سے تعلق رکھتے تھے۔ناظم آباد میں خانقاہ گلزار سعیدیہ ان کا اور ان کے سلسلے کا باعظمت نشان ہے ہم ایک ہی شہر کے باسی تھے مگر عجیب بات یہ ہے کہ میری ان سے پہلی ملاقات دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہوئی میرے ایک محترم دوست ریاض احمد جو بن لادن کمپنی میں بحیثیت سول انجینئر عرصہ ۳۵ سال سے ملازمت کررہے ہیں اور مکہ المکرّمہ میں مقیم ہیں اور تعمیرات حرمین شریفین میں تکنیکی معاونت فراہم کرنے پر مامور ہیں انہوں نے کئی بار شفیق احمد فاروقی صاحب کا ذکر کیا اور ملاقات کے لیے دعوت دی چند برس پیشتر جب میں بغرض ملازمت جدہ منتقل ہُوا تو یہ مرحلہ بھی اُن کی رفاقت ہی میں طے ہُوا اور ہم دونوں ایک دن شفیق صاحب سے ملنے گئے جو مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔شفیق صاحب کو میں نے اسم بامسمّٰی پایا۔شفقت ،دل جوئی اور مہمان نوازی اُن کی شخصیت کے ایسے عناصر تھے جو ان سے ملنے والے اشخاص پر چند ہی لمحوں میں واضح ہوکر ایک دائمی نقش قائم کرلیتے تھے اس ملاقات کے بعد ان سے ایک ایسا تعلق خاطر پیدا ہوا جو ان کی زندگی تک قائم رہا اکثر فون پر بات ہوتی وہ اپنے نعتیہ اشعار سناتے اور کئی بار بذریعہ برقی ڈاک اپنا کلام ارسال کرتے جواباً جب میں انہیں فون یا ملاقات پر ان کلاموں کے حوالے سے اپنے تاثرات سے

آ گاہ کرتا تو وہ دعاؤں سے نوازتے ۔نعت رنگ ، میاں محمد طبیب، اوران کے محبوب خلیفہ اورنعت ریسرچ سینٹر کے ڈائریکٹرڈاکٹرعزیزاحسن اکثر ہماری گفتگو کے مشترکہ موضوعات میں ہوتے۔شفیق صاحب کی شخصیت کا سب سے نمایاں رنگ عشق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رنگ تھا جوانہیں کراچی سے اٹھا کر مدینہ طیبہ لے آیا تھا مجھے ایسے کئی بزرگوں کی صحبت نصیب رہی ہے جو دنیا کے مختلف حصوں سے اٹھ کر مدینہ طیبہ میں آ گئے کہ انہیں اس عارضی زندگی کے بعد دائمی زندگی کا ہر لمحہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدمین میں نصیب ہو۔شفیق صاحب کو بھی مَیں نے انھی کیفیتوں اوراسی جستجو میں دیکھا بقیع میں آباد ہونے کی حسرت اُن کی زندگی کا سرنامہ اوران کے کلام کی نمایاں خصوصیت تھی۔

تمنا دل میں رکھتے ہیں کہ موت آئے مدینے میں
یہیں پر دفن بھی ہوں ہم تمنا دل میں رکھتے ہیں
تمنا ہے نہ نکلیں ہم کبھی باہر مدینے سے
رہے جاری کرم پیہم تمنا دل میں رکھتے ہیں

بالآخراس منزل تمنا کوانھوں نے اگست ۲۰۱۴ء میں پالیا اور بقیع میں آباد ہوئے (اناللہ وانا الیہ راجعون)ان کے صاحبزادے ضیاء فاروقی صاحب نے جب مجھے یہ خبر دی تو میرے ذہن میں ان کی خوش بختی کے حوالے سے نعت کا یہ شعر تازہ ہوگیا۔

شکر صد شکر کے موت آئی درِ آقاؐ پر
اب مدینے سے کہیں جانے کا امکان گیا

O کیف رضوانی (مرحوم)

کھو جانا اپنی ذات میں اک عام بات ہے
انساں وہی ہے جس کو غم کائنات ہے

اس خوبصورت شعر کے خالق اور ممتاز مزاح نگار کیف رضوانی ۲۸ ستمبر ۲۰۱۴ء کو

کراچی میں وفات پا گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون) ان کا اصل نام سید فخر الحسن تھا ان کے کالموں کا مجموعہ ''کانا پھوسی'' اورشعری مجموعہ'' سحر گذیدہ'' کے نام سے شائع ہو چکا تھا وہ اشتہار سازی کے ادارے سے منسلک رہے۔کئی فلموں کے نغمات بھی کیف رضوانی کی شہرت کا ذریعہ بنے اور مزاح نگاری میں بھی ان کا نام خاصا نمایاں رہا مگر مجھے یہ کیف رضوانی ایک درویشانہ رنگ میں ملے جس کا نقش اب تک میرے ذہن پر قائم ہے ایک محفل نعت کے اختتام پر ایک بزرگ مجھ سے ملے۔روشن نورانی چہرہ جس پر خوبصورت ریش مبارک اپنی بہار دکھا رہی تھی متانت وجاہت اور گہری سنجیدگی ان کی شخصیت کے حسن کو مزید نمایاں کر رہی تھی میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت دھیمے اور اپنائیت بھرے لہجے میں بولے میرا نام کیف رضوانی ہے اور پھر ایک لفافہ تھماتے ہوئے بولے اس میں میری ایک نعت ہے جو میں نے آپ کے ایک کلام سے متاثر ہو کر لکھی ہے آپ کے لیے لایا تھا۔مَیں نے شکریہ کا اظہار کیا اور وہ لفافہ لے لیا پھر چند لمحوں میں کیف صاحب حاضرین کے ہجوم میں کہیں گم ہو گئے بعدازاں ان کا مجموعہ کلام دیکھنے کا موقع ملا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ان کی شاعری کا ہر پہلو اور ہر موضوع اس امر کا مظہر تھا کہ وہ اپنے گرد و پیش کی سیاسی ،سماجی اور اس میں سانس لینے والی اجتماعی زندگی کے نباض و ترجمان ہیں ان کی عطا کردہ نعت نے بھی مجھے روحانی سرشاریوں سے ہم کنار کیا۔انھوں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شدید اور سچے جذبے کو شعری معیارات کے ساتھ نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہے چند شعر آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور ان کے لیے دعائے مغفرت میں میرے ہمنوا بن جایئے۔

تقدیر سنور جائے سرکار کے قدموں میں
یہ جان اگر جائے سرکار کے قدموں میں
اک بار رکھوں اُن کے قدموں میں یہ سر اپنا
پھر عمر گذر جائے سرکار کے قدموں میں

یہ کیفؔ کی حسرت ہے ڈھل جائے وہ خوش بو میں
اور جا کے بکھر جائے سرکار کے قدموں میں

ابھی میں یہ سطور لکھ ہی رہا تھا کہ جناب شوکت عابد صاحب جو کیف رضوانی کے دیرینہ رفیق کار تھے تشریف لائے۔ انہیں معلوم ہوا کہ میں کیف رضوانی پر کوئی تعزیتی نوٹ لکھ رہا ہوں تو انہوں نے ایک ایسا واقعہ سنایا کہ مجھے کیف رضوانی کے کلام میں کیفیت اور وارفتگی کی اصل وجہ معلوم ہوگئی بقول شوکت عابد، کیف رضوانی نے انہیں ایک دن بتایا کہ ان کے کوئی دوست عمرہ پر تشریف لے گئے تو انہیں روضہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آواز آئی کہ کیف رضوانی سے کہو کہ نعت لکھے اور یہ بات بتانے کے بعد کیف رضوانی زاروقطار رونے لگے انہوں نے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پیغام کے بعد غزل گوئی ترک کر کے نعت گوئی شروع کی۔ اپنے خوبصورت ترنم سے شاعروں کو لوٹنے والے کیف رضوانی حکم سرکار کے کیف میں ایسے گم ہوئے کہ صرف اور صرف نعت ہی کے ہو کر رہ گئے۔ یہ بات سن کر میرے دل میں یہ خیال مزید راسخ ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اُمتیوں سے تعلق کس درجہ قوی ہے جس پر اُن کی چشم عنایت پڑ جائے اسے نعت گوئی کی توفیق مل جاتی ہے مگر نعت گوئی کا حکم کیف رضوانی کو تو بہت واضح اور حکمیہ انداز میں ملا تھا۔ مجھے اُن کی قسمت پر رشک آ رہا ہے۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کے جائے ہے!

کاش ان کے اہل خانہ کیف رضوانی کے قلمی سرمائے سے ان کی نعتوں کو علیحدہ کر کے شائع کرنے کا اہتمام کر سکیں۔

○ پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج (مرحوم)

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج ۱۹۶۰ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن، قانون، صحافت اور مطالعات اسلامی میں تعلیمی اسناد حاصل کرنے کے بعد انہوں نے

قرآن مجید کے آٹھ منتخب تراجم کو اپنی تحقیق کا موضوع بنا کر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔قرآن فہمی ان کے ذوق اورشوق کا محور رہی ۔سو (۱۰۰) کے قریب تحقیقی مقالات اور پندرہ چھوٹی بڑی فکر انگیز کتابیں اُن کا تحریری اور علمی اثاثہ ہیں۔التفسیر کے نام سے ایک خالص علمی و تحقیقی جریدہ بھی نکالتے رہے ۔جامعہ کراچی کے شعبۂ مطالعات اسلامی کے صدر شعبۂ ڈین اور سیرت چیئر کے ڈائریکٹر تھے۔ایک متحرک، فعال اور وسیع النظر اور وسیع القلب شخصیت جس نے کراچی کے خون آشام ماحول میں ظلم تعصب تفرقہ بازی اور جہل کی تاریکی کو علم کے چراغوں سے کم کرنے کے کوشش میں اپنی زندگی صرف کی بالآخر ۱۸/ستمبر۲۰۱۴ءکو اس جہاد میں جام شہادت نوش کر کے اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ۔(اناللہ وانا الیہ راجعون) موصوف کو شاعری سے بھی شغف رہا۔چند نعتیں بھی ان کے سرمایہ علمی سے فراہم ہوئی ہیں ان کی ایک نعت ۲۰۱۲ءمیں نعت رنگ شمارہ ۲۳ کی زینت بنی جوان کے نصیب العین جذبہ عمل اور عشق کا اعلامیہ تھی اس میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ان کے نامِ پاک پر مر جایئے ۔۔۔ موت کو فخر شہادت کیجیے
مزرع اِسلام کو پھر سینچ کر ۔۔۔ قلبِ کافر پر قیامت کیجیے
حق پرستی کی سزا کیونکر ملے ۔۔۔ آگے بڑھیے اور جرأت کیجیے
حق نے باطل کو مٹایا جس طرح ۔۔۔ پھر اسے زندہ حقیقت کیجیے
فیصلہ کن انقلاب آنے کو ہے ۔۔۔ پیش دعوے پر شہادت کیجیے

موت کو فخر شہادت بنا لینے والے اس باعمل عالم اور نعت گو کی یاد ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہے گی۔

○ ڈاکٹر مظفر حسن عالی (مرحوم)

ڈاکٹر مظفر حسن عالی یکم مئی ۱۹۵۹ء میں بہار میں پیدا ہوئے ۔میرا اُن سے ابتدائی تعارف سہہ ماہی الکوثر سہسرام کی وساطت سے ہُوا جو مجھے جناب مولانا ملک

الظفر سہسرامی کی طرف سے گاہے گاہے ملتا رہا۔ان شماروں میں مجھے جناب مظفر حسن عالی کی تحریروں نے خصوصی طور پر متاثر کیا ان کی تحریر کا اسلوب اوران کا اندازِ فکر دونوں اس بات کو ظاہر کرتے تھے کہ وہ ادب کے نئے فکری زاویوں اور جدید مسائل سے آگاہ بھی ہیں اوران پر گفتگو کا شعور بھی رکھتے ہیں یہ بات بھی اہم تھی کہ وہ ادب اور زندگی دونوں میں روایات کے احترام کو بھی برقرار رکھتے ہوئے ہر قسم کی فکری اور فنی بے راہ روی سے اجتناب برتنے کے قائل تھے۔ اس توازن نے اُن کی تحریروں کو قابل کو توجہ بنادیا تھا ان کا ایک مضمون اردو کی نعتیہ شاعری کا تاریخی وتہذیبی مطالعہ جب میری نظر سے گزرا رتو مجھے خوشی ہوئی کہ ادب کے دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ فن نعت گوئی پر بھی ان کی گہری نظر تھی یہ مضمون ان کی کتاب ''نغمہ وحدت کا شاعر ساحر شیوی'' میں شامل تھا جو ساحر شیوی صاحب کے مذہبی کلام کے حوالے سے لکھا جانے والا ایک اہم مقالہ ہے۔ ١٦ جون ٢٠١٤ء کو ڈاکٹر مظفر حسن عالی اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے (انا اللہ وانا الیہ راجعون)ان کی رحلت کی اچانک اطلاع نے خاصا آزردہ کیا کاش وہ کچھ اوروقت زندہ رہتے اور مزید کچھ ایسے وقیع مضامین صنف نعت پر لکھ سکتے۔

سچ کہا نذیر فتح پوری نے:

موت اُس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لیے

O چوہدری فضل حق (مرحوم)

نعتیہ کتب کے مطالعے کا ذوق مجھے بچپن سے رہا نعتیہ کتابیں تلاش کرنا اورانہیں جمع کرنا میری روحانی تسکین کا سبب بنتا رہا اوائل عمری ہی میں جن لوگوں کے نام نعت گوئی کے حوالے سے تواتر سے سامنے آتے رہے ان میں ایک نام فضل حق کا بھی تھا۔ اردو اور فارسی میں اُن کی نعتیں اپنے استادانہ رنگ وآہنگ اور شاعرانہ حسن کی وجہ سے الگ

پہچان رکھتی ہیں ۔نثر ونظم دونوں شعبوں میں ان کا کام قابلِ قدر ہے وہ ۱۹۲۳ء کو ضلع گجرات کے گاؤں مرالہ میں پیدا ہوئے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کھاریاں سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور میٹرک مسلم زمیندار ہائی اسکول گجرات سے کیا جب کہ بی۔اے زمیندار کالج گجرات سے کیا۔فوج اور پولیس کے محکموں میں ملازمت کی اور پولیس میں انسپکٹر جنرل کے عہدے تک ترقی پائی ۔ریٹائرمنٹ سے پہلے کچھ عرصہ وزارت داخلہ میں سیکرٹری بھی رہے ایک قومی روزنامے میں بھی آپ کے کالم ''گاہے گاہے بازخواں'' کے نام سے شائع ہوتے رہے۔مطبوعہ کتب میں آہنگ حجاز ،مہرعرب ،غمِ صحرا،سوئے حرم ،خارمژگان اورسورج شامل ہیں ان کی ایک نعت کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں اور ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ان کے عشق کی حدت کو محسوس کریں:

پھر مہرباں ہوا ہے غمِ فرقتِ رسول
طے ہوگا اب کے مرحلہ مدحتِ رسول

جاں کو بہم کروں سرِ مژگاں کو نم کروں
تب جا کے نقش ہوگا خطِ عظمتِ رسول

بے اذن لب کشا ہو ،کسے اختیار ہے
نعت رسول ہے اثرِ شفقتِ رسول

ہنگامِ عرضِ غم مجھے درکار ہے فقط
اک موجِ نیم تیری یمِ رحمتِ رسول

خواہش بھی جس میں بڑھی ہو جس میں یقیں بھی ہو
ہے وہ غمِ لطیف فقط نعمتِ رسول

اس کے لیے قبول ہے دل کا زیاں مجھے
جاں سے عزیز تر ہے مجھے حسرتِ رسول

۲۰۱۴ء میں یہ اہم نعت گو شاعر ہم سے جدا ہوکر سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔(انا اللہ وانا الیہ راجعون)

O سرشار صدیقی (مرحوم)

سرشار صدیقی کا شمار عصر حاضر کے معروف شاعر،ادیب اور کالم نگاروں میں ہوتا تھا اُن کا اصل نام اسرار حسین محمد ارمان تھا۔ وہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو کان پور میں پیدا ہوئے۔پتھر کی لکیر،زخم گل،ابجد،بے نام،خزاں کی آخری شام،ہجرت پہ مامور ہیں ہم

،تشکیلِ سرشار صدیقی، باز دید اوراعتبار،ان کے شعری مجموعے ہیں جو زیور طبع سے آراستہ ہوئے ۔نثری کتب میں حرف مکرر،شنیدہ،اجمال ، رفتگاں ،واحد متکلم اور ہراول دستہ، شائع ہوچکی ہیں جب کہ نعتیہ ادب کو انھوں نے دو خوبصورت شعری مجموعے عطا کیے جن میں اساس اور میثاق شامل ہیں ان دونوں مجموعوں میں شامل نعتیہ غزلوں اور نظموں میں عصری حسیت اور شاعرانہ شعور نے مل کر نعت کے موضوعات اوراسالیب کومزید وسعت آشنا کیا ہے۔ پایانِ عمر میں حرمین شریفین کی متواتر حاضری نے ان کے کلام اورزندگی میں حضوری کی کیفیت کو خاصا گہرا کر دیا تھا۔نئی اردو نعت کے کسی بھی ادبی جائزے کوسرشار صدیقی جیسے تازہ کاراور باشعور نعت نگار کے ذکر کے بغیر مکمل کرنا یقیناً دشوار ہوگا۔

۲۰۱۴ءکوسرشار صدیقی بھی ایک کامیاب ادبی اورروحانی زندگی گزار کر یقیں کی اس روشنی کوساتھ لیے ہوئے راہیٔ ملکِ عدم ہوئے: (انااللہ وانا الیہ راجعون)

مجھے خدا کی زمیں پر کہیں بھی دفن کرو ۔۔۔ میں خاک پائے رسالت میں گرد راہِ حرم

وہ ارض شوق مری جنتِ یقیں ہوگی ۔۔۔ میں روز حشر جہاں سے اٹھایا جاؤں گا

وہ سرزمین مدینے کی سرزمیں ہوگی۔

O جاوید احسن خان (مرحوم)

معروف شاعرو ناقد جاوید احسن کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے تھا اُن کی پیدائش یکم دسمبر ۱۹۴۸ء تحصیل تونسہ میں ہوئی وہ زندگی بھر شعروادب کی خدمت کرتے رہے ڈیرہ غازی خاں میں نیشنل سنیٹر کے ریزیڈنٹ ڈائریکٹر بھی رہے اُن کی مطبوعہ کتب میں جمالِ صحرا،لوح شفاعت اور چشمِ غزال شامل ہیں جب کہ نثری کتب میں سرائیکی ثقافت اور فی احسن تقویم شامل ہیں۔جاوید احسن صاحب سے میرا تعلق اس وقت قائم ہوا جب ان کی کتاب فی احسن تقویم (نعتیہ شاعری کا تنقیدی جائزہ) شائع ہوئی۔یہ سات ابواب پر مشتمل ۱۴۴ صفحات کی کتاب ہے جو اختصار، سادگی، دردمندی، صدق

نیت اور حب رسول کی غیرت کے اجزا سے مملو ہے وہ نعت رنگ کے باقاعدہ قاری تھے ۔''نعت نامے'' مرتبہ: (ڈاکٹر محمد سہیل شفیق مطبوعہ۲۰۱۴) کے صفحہ نمبر ۶۲۱ پر ان کا ایک خط میرے نام موجود ہے جس میں نعت رنگ کے بارے میں اُن کا اظہار پسندیدگی اور نعت سے شغف دونوں نمایاں ہیں''لوح شفاعت'' اُن کا نعتیہ مجموعہ ہے ۔۲۰۰۹ء میں شائع ہونے والا یہ خوبصورت مجموعہ ان کے عشق اور فنی ریاضت کا آئینہ ہے ۔۵ اکتوبر ۲۰۱۴ءکو یہ خادم نعت اپنا توشہ آخرت''لوح شفاعت'' لیے ہوئے اپنے رب کی طرف کوچ کر گیا۔(اناللہ وانا الیہ راجعون)

ربِّ جہاں ہے شانِ جلالت لیے ہوئے
نکلا ہے آفتاب قیامت لیے ہوئے
جاوید !بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں
روز حساب''لوحِ شفاعت'' لیے ہوئے

O محمد عبدالقیوم خان طارق سلطان پوری (مرحوم)

شعر وادب کی دنیا میں طارق سلطان پوری کے نام سے متعارف' محمد عبدالقیوم جنوری ۱۹۶۱ءکو حسن ابدال کے شمال میں ایبٹ آباد سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر وادی ہرو میں سلطان پور نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ۔میٹرک کا امتحان حسن ابدال سے پاس کیا بعدازاں دورانِ ملازمت کراچی سے منشی فاضل ،فاضل اردو کے امتحانات پاس کیے اور پھر کراچی یونیورسٹی ہی سے گریجویشن کے بعد ۱۹۷۲ءمیں کراچی یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی اور پہلی پوزیشن حاصل کی ۔ وہ نیشنل بینک کراچی میں برانچ منیجر کی حیثیت سے تقریباً بیس سال تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے ان کا سلسلہ ارادت گولڑہ شریف سے جڑا ہُوا تھا۔اُن کی ادبی خدمات کا دائرہ نصف صدی کو محیط ہے''ماہِ طیبہ'' کوٹلی لوہاراں کے پرانے شمارے اس بات کے گواہ ہیں کہ طارق سلطان پوری کب سے نعت کے دامن سے وابستہ تھے ان

کی اکثر ایمان افروز نعتیں جو اکثر مولانا احمد رضا خاںؒ کی زمینوں میں ہیں ان شماروں میں نظر آتی ہیں ''ماہِ طیبہ'' کے مدیر مولانا ابوالنور محمد بشیر اپنے رسالے میں اکثر طرحی مصرعے دیتے جس میں زیادہ تر مصرعے مولانا احمد رضا خاںؒ فاضل بریلوی کے ہوتے تھے اور یوں اس وقت کے نامور شعرا کلام رضا پر نعتوں کے چمن زار سجاتے رہے کاش کہ کوئی صاحب ہمت ''ماہِ طیبہ'' کی فائلوں سے عقیدت ومودت کے ان گلابوں کو جمع کر کے گلدستہ کی صورت میں مرتب کر سکے۔

طارق سلطان پوری کے شعری اظہار پر فکر اقبال واحمد رضاؒ کی چھاپ بہت واضح دکھائی دیتی ہے انہوں نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاںؒ کی زمینوں میں درجنوں نعتیں تخلیق کی ہیں اعلیٰ حضرت سے ان کی عقیدت کا ثبوت ان کی ایک نعت میں اس طرح بھی سامنے آیا ہے:

موج زن جذبہ تقلید رضا ہے دل میں
اسی جذبہ سے لکھا ہے یہ قصیدہ تیرا

طارق سلطان پوری کی قدرت کلام اور زود گوئی دونوں ہی متاثر کن تھیں ایک طرف نعت کے معاصر منظر نامے پر ان کی نعت گوئی ان کے تعارف کا قوی حوالہ بن چکی تھی اور دوسری طرف مادہ ہائے تاریخ نکالنے میں ان کی مہارت نے انہیں بطور تاریخ گو درجہ استناد پر فائز کر دیا تھا انہوں نے اپنے کثیر نعتیہ کلام کے سرمائے کے علاوہ مادہ ہائے تواریخ کا ایک بڑا خزانہ بھی اپنے پیچھے چھوڑا ہے جو عصری شخصیات ،مطبوعات اور اہم واقعات کے حوالے سے یقیناً حوالے کی چیز ہے ہم عصر نعت نگاروں کی کتب اور ان کی تاریخ وفات وتقاریب اجرائے کتب وغیرہ کے حوالے سے اگر کوئی سلطان پوری کی کہی ہوئی تاریخوں کا جائزہ لے تو نعت کا پورا عصری منظر نامے سامنے آجائے گا۔ یقیناً نعت سے الفت اور نعت کی خدمت کے جذبے کو نمایاں کرنے کے لیے اُن کا یہ کارنامہ کافی ہے۔ ڈاکٹر شہزاد احمد نے مجھ سے ان کی تین نعتیہ تضمینوں کا ذکر

کیا جو سلام رضا پر لکھی گئی ہیں میرے خیال میں یہ اعزاز بھی اردو کے کسی اور شاعر کو شاید ہی حاصل ہوا ہو کہ اسے سلام رضا پر تین تضمین کہنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو مگر میرے پیش نظر ان کی دو مطبوعہ تضمین ہیں ایک ''بارانِ رحمت'' اور دوسری ''برہانِ رحمت'' یہ دونوں تضمین علٰیحدہ علٰیحدہ کتابچوں کی صورت میں ایک ہی سال یعنی ۲۰۰۵ء میں رضا اکیڈمی لاہور سے شائع ہوئی ہیں ان کے علاوہ مرحوم کی کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری اتنی طویل مدت تک نعت کے گلستاں کو اپنے خون جگر سے سینچنے والے قادر الکلام شاعر کے نعتیہ کلام کا شائع نہ ہونا عصر حاضر میں فروغ نعت کے دعوے داروں کے اجتماعی رویے پر ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔

صابر شاہ بخاری نے ماہ نامہ نعت کے شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۴، ضلع اٹک کے نعت گو شعرا میں ان کی درج ذیل غیر مطبوعہ کتب کا ذکر کیا ہے کاش یہ سرمایہ جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر محفوظ ہو سکے:

(۱) علایق بخشش (نعتیہ کلام) (۵) تاریخ راج (کتب و رسائل پر تاریخی قطعات)

(۲) چادر بخشش (نعتیہ کلام) (۶) ربابِ تاریخ (ممتاز علما مشائخ کرام کے وصال پر قطعات)

(۳) مضراب (غزلیات) (۷) خیابان عقیدت (مناقب)

(۴) آوازۂ حق (سیاسی نظمیں) (۸) چادر رحمت (قصیدہ بردہ شریف کا منظوم اردو ترجمہ)

۱۸/اپریل ۲۰۱۵ء کو یہ اہم نعت نگار اس جہانِ فانی سے اس یقین کے ساتھ کوچ کر گیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

جلوۂ روئے محمد کا ہے واصف طارق
اُس کی تربت میں اجالے ہی اجالے ہوں گے

O نصرت نعیمی (مرحوم)

مولانا رجب علی خان نعیمی المتخلص نصرت نعیمی ایک مستند عالم دین ،شعلہ نوا خطیب خوش فکر نعت گو اور خوش آواز نعت خواں تھے۔مولانا کی پیدائش ۱۵ مئی ۱۹۴۶ ءکو کراچی میں ہوئی اُن کے اجداد کا مسکن اجمیر شریف تھا مولانا ابتدا میں بطور نعت خواں محافلِ نعت میں شرکت کرتے رہے مگر جب علما کی صحبت میسر آئی تو علم دین سیکھنے کا شوق دامن گیر ہُوا اور آپ نے جامع مسجد اللہ والی لائنز ایریا میں دارالعلوم قادریہ نعیمیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۴ء میں سند حاصل کی ۔مولانا کی مقبولیت اور تعارف کا دائرہ نعت خوانی کی وجہ سے شروع ہی میں خاصا وسیع ہو چکا تھا کیونکہ وہ بیک وقت عربی ،فارسی ،پنجابی ،گجراتی اور اردو میں نعت پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے مگر جب بحثیت عالم دین انھوں نے جوشِ خطابت کے جوہر دکھانے شروع کیے تو انہیں اہلسنّت والجماعت کے اکابر علما کی محبتیں اور سرپرستی بھی حاصل ہوئی اور یہیں سے مولانا کی تبلیغی اور سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔انہیں علامہ شاہ احمد نورانی ،علامہ شاہ فرید الحق سمیت دیگر جدید علما کی قربت اور رفاقت نے مزید مستعد اور فعال کیا اور یوں مولانا عقیدہ وعقیدت کے تحفظ کے لیے اُن اکابر علما کے ساتھ مصروفِ عمل رہے نعت سے مولانا کے شغف ِنعت نے انہیں نعت خوانی سے نعت گوئی تک کا سفر کروایا جب ان کا مجموعہ کلام ''سعادت کے موتی ۱۹۹۴ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا تو مجھ سمیت کئی احباب خوشگوار حیرت سے دوچار ہوئے زبان و بیان کے ساتھ شائستگی اور تخلیقی شعور نے ان کے کلام میں عشق نبی کریمؐ کی روشنی کو مزید نمایاں کر دیا تھا۔مولانا شاعری میں افسر صابری کے شاگرد تھے ۲۲ فروری ۲۰۱۵ ءکو یہ اہم عالم دین اور باشعور نعت نگار نہایت خاموشی سے اس دنیا سے رخصت ہو گیا میں ملک سے باہر تھا واپس آیا تو یہ خبر جناب منظر عارفی کی وساطت سے مجھ تک پہنچی ۔نہ کسی اخبار میں کوئی خبر دیکھی نہ اہل سنت والجماعت کے حلقوں میں کوئی نمایاں ذکر سامنے آیا۔افسوس کہ اپنے درمیان زندگی کی علامت بن کر رہنے والے لوگوں کو ہم کتنی

جلدی فراموش کردیتے ہیں آئیں مولانا کے کچھ نعتیہ اشعار پڑھ کر ان کے لیے دعا کو ہاتھ اٹھاتے ہیں:

جب لیا نام مصطفیٰ مَیں نے ۔۔۔ پا لیا دل کا مدعا مَیں نے
زندگی کو قریب سے دیکھا ۔۔۔ آپ کو یاد جب کیا مَیں نے
ہوگئیں ساری مشکلیں آسان ۔۔۔ یا نبی دل سے جب کہا مَیں نے
توشۂ یادِ مصطفیٰ کے سوا ۔۔۔ کچھ نہ زادِ سفر لیا مَیں نے
شافعِ روزِ حشر کے صدقے ۔۔۔ بخشوائی ہے ہر خطا مَیں نے
دامن شاہِ دیں میں اے نصرت ۔۔۔ رحمتِ حق کو پا لیا مَیں نے

O چند مرحوم ثناخواں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

پچھلے دنوں ہم سے بچھڑنے والوں میں بعض اہم نعت خواں حضرات بھی شامل ہیں جو ایک طویل مدت تک اپنی مترنم آوازوں میں ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے ہمارے معاشرے کو معطر کرتے رہے ان کا عشق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ میں ثناخوانی کے ذریعے مصروف رہنا ان کی محبوبیت اور مقبولیت کا سبب رہا ایسے محترم ثناخوانوں میں سید اوصاف علی شاہ ۶/ اگست ۲۰۱۴ء کو لاہور میں، حافظ محمد حسین کسووال ۱۲/ اپریل ۲۰۱۵ء کو کسووال میں، معروف نعت گو اور نعت خواں عبدلستار نیازیؒ کے بڑے صاحبزادے اور معروف ثناخواں محمد شاہد نیازی یکم/مئی ۲۰۱۵ء کو لاہور میں جبکہ کراچی سے تعلق رکھنے والے سنئیر ثناخواں مجیب الرحمٰن صدیقی ۱۲/فروری ۲۰۱۵ء کو کراچی میں انتقال فرما گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) دم تحریر ان تمام ثناخوانوں کی آوازوں میں ان کے مختلف نعتیہ کلاموں کی بازگشت میری سماعت کو آسودہ کر رہی ہے مگر مجیب الرحمٰن صدیقی کی پڑھی ہوئی منور بدایونی کی اس نعت کی صدا ان میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

نعتِ محبوبِ داور، سند ہو گئی ۔۔۔ فردِ عصیاں مری مستند ہو گئی

مجھ سا عاصی بھی آغوشِ رحمت میں ہے یہ تو بندہ نوازی کی حد ہو گئی
عمر بھر مَیں نے دنیا میں نعتیں پڑھیں میری بخشش یہیں مستند ہو گئی
جو تجلی منوّر مرے دل میں تھی وہ پسِ مرگ شمعِ لحد ہو گئی

رب کریم اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان تمام ثنا خوانوں کی مغفرت فرمائے۔آمین۔

'نعت رنگ' کی مختلف شماروں میں بعض اور مرحومین کی وفات کی نشاندہی بھی بعض توجہ طلب جملے لیے ہوئے ہے۔

- نہایت عقیدت اور نیاز مندی سے محفل کا حصہ بننے والا اقبال باہو جب بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں مدح سرا ہوتا تھا تو پورے وجود سے نعت سرا ہوتا تھا۔

وہ اکثر کہتے تھے کہ مجھے ''نعت رنگ'' کی تحریک میں شمولیت پر فخر ہے۔ان کی نثری کتب نعتیہ ادب کے مطالعاتی جائزوں کو وسیع تر کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

- حمایت علی شاعر نے نعت نگاری کے لیے نہ صرف خود مذہبی شعور اور تہذیبی آگہی سے کام لیا، بلکہ انھوں نے اپنے خیالات وافکار کو بھی بہت مرتب انداز میں اور پوری نکتہ آفرینی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج اُن پر غور کر کے ہم اپنے عہد کے تناظر میں نعتیہ فکر کے فروغ کا کام کر سکتے ہیں۔

ایک نعت خواں کو اپنے کردار وعمل میں کتنا شفاف، اپنی پڑھت میں کتنا باوقار، زبان کی نزاکتوں اور ادائی کی لطافتوں سے کتنا آشنا، اور فنی لحاظ سے کتنا سنبھلا ہُوا ہونا چاہیے اس کی اگر کوئی بہت مضبوط اور توانا مثال میرے پیشِ نظر ہے تو وہ الحاج سعید ہاشمی کی ہے۔

ادب کے معاصر منظر نامے پر ان کی شناخت تقدیسی شاعری کے حوالے سے اپنا ایک مستحکم حوالہ رکھتی ہے۔ان کے محرکاتِ تخلیق حمد ونعت اور منقبت گوئی میں ایسے

کثیر جہتی عوامل سے فروغ پاتے ہیں جن کا سلسلہ عمل روحانی حوالہ سے بھی فرد کی باطنی تطہیر سے فکری تہذیب تک اپنا پھیلاؤ رکھتے ہیں۔

عنبر بہرائچی (لم یات۔۔۔)

یہ ایک نظم مسلسل ہے جو تیرہ عناوین کے تحت ایک ہزار چوبیس اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں شاعر نے حرا سے لے کر فتح مکہ تک کے کچھ اہم واقعات کو قلم بند کیا ہے یا یوں کہہ لیں کہ شاعر نے سیرت کے اِن چنیدہ واقعات کو بیان کیا ہے جن کو بیان کرنے سے پوری سیرت سامنے آ جاتی ہے۔ اس طویل نظم کو ایک رزمیہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے شاعر نے جن فنی محاسن تخلیقی جمال اور لسانی ہمہ گیری کا مظاہرہ کیا وہ تو اپنی جگہ قابل داد تھا ہی مگر جو دیباچہ مصنف نے کتاب کے آغاز میں تحریر کیا وہ بھی خاصے کی چیز ہے۔ اس دیباچے میں عنبر بہرائچی نے رزمیہ کی تعریف، تاریخ اور اُردو و ہندی میں اس کی مثالیں پیش کرتے ہوئے اس کی فنی بُنت پر جو سوالات اُٹھائے وہ خود اہل علم کے لیے فکر و نظر کے نئے دَر وا کرنے کے ساتھ ساتھ مزید مکالمے کی فضا کو روشن کرنے کا تقاضہ کرتے ہیں۔

شہزاد احمد سے میری رفاقت کا عرصہ چار دہائیوں پر پھیلا ہُوا ہے۔ میں نے انھیں زندگی کے نامساعد حالات میں بھی پُر عزم اور کام میں مصروف دیکھا۔ انھوں نے پورے اخلاص سے ہر نعت کار کی حوصلہ افزائی کی اور اسے سراہنے میں کمی نہیں کی۔ عمر کے آخری حصے میں وہ عارضہ قلب کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ بیماری نے زور پکڑا تو بدن کی طاقت اور کام کی رفتار بھی متاثر ہوئی۔ اپنی آخری ملاقات میں انھوں نے مجھ سے اپنی بیماری کے مسائل کا ذکر کرنے کے بجائے اپنے ادھورے تذکرے کی تکمیل کے بارے میں دعا کا کہا جسے وہ ''اُردو کی صاحب کتاب خواتین نعت گو'' کے عنوان سے مرتب کر رہے تھے۔ یہ کام گزشتہ دو برس سے جاری تھا جس کے لیے وہ اکثر نعت ریسرچ سینٹر کی لائبریری میں موجود کتب سے استفادے کے لیے آتے رہے۔ پھولی ہوئی سانسوں اور لاغر وجود

کے باوجود آنکھوں میں اس کتاب کی جلد تکمیل کے عزم کی روشنی لیے ہوئے یہ مخلص اور محنتی انسان نعت کار ۱۹؍جنوری ۲۰۲۲ء کو زندگی کی جنگ ہار گیا۔

شہزاد کے سانسوں کی ڈوری کیا ٹوٹی ہماری چالیس سالہ رفاقت ختم ہوگئی۔ یہ الفاظ لکھتے ہوئے میری نظروں میں اتفاق و اختلاف کے وہ سارے موسم تازہ ہوگئے ہیں جن کے درمیان شہزاد احمد، غوث میاں اور مَیں نے نعت کی خدمت کے خواب دیکھے اور ان خوابوں کو تعبیر سے ہمکنار ہوتے دیکھا۔

(رسالہ ''اُردو ادب'' سے خطوط)

یہ خط منٹو کے زیرِ ادارت چھپنے والے رسالے ''اردو ادب'' سے لیے گئے ہیں۔ ان خطوں پر عنوانات مدیر کے دیے ہوئے ہیں۔

(ا)

حقہ پانی بند!

بھائی جان۔ تسلیم

میرا منظور ڈرامہ کچھ مدت سے آپ کی تحویل میں ہے۔ میں متعدد مرتبہ مسودہ حاصل کرنے کے لیے چوہدری صاحب سے ملا مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کے بعد میں علیل ہوگیا ___ براہ کرم ڈرامے کا مسودہ مجھے لوٹا دیجئے۔ اب، اردو ادب، میں اسے شائع کروانا میرے لیے بالکل ممکن نہیں رہا۔ کیونکہ مجھے رات اطلاع ملی کہ میری علالت کے دوران میں ہماری انجمن نے بعض ادبا سے عدم تعاون کا فیصلہ کیا ہے۔ ذاتی طور پر میرے دل میں آپ کی بڑی عزت ہے اور مَیں آپ کا احترام کرتا ہوں، لیکن انجمن کے ایک ذمہ دار رکن کی حیثیت سے اس کے فیصلوں کا احترام مجھ پر فرض ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ڈرامے کی اشاعت رکوا کر مجھے اس فرض کی تکمیل میں مدد فرمائیں گے۔ شکریہ!

عارف عبدالمتین

لاہور، ۹/ستمبر ۱۹۴۹ء

(۲)

سلام محبت؟

سعادت بھائی، سلام محبت

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں ۲۴ اپریل سے علیل ہوں۔ آپ کی مجوزہ دوا کا اشتہار مجھ تک پہونچ گیا تھا۔ بہر کیف اس امر کا مجھے افسوس رہا کہ آپ مجھے پوچھنے تک نہ آئے۔ آپ کو اس بات کا تو یقیناً احساس ہوگا کہ یہ شکایت کرتے ہوئے میں حق پر ہوں۔

۱۵/ اگست کو ''نقوش'' کا ضخیم آزادی نمبر آرہا ہے اگر اس کے لیے آپ کوئی کہانی مرحمت فرما سکیں تو یہ آپ کا بہت بڑا کرم ہوگا۔ میں یہاں کوئٹہ ہی میں آپ کی عنایت کا منتظر رہوں گا۔

احمد ندیم قاسمی

کوئٹہ

(۳)

سلام مسنون!

برادرم سعادت، سلام مسنون،

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میرا وہ خط جو میں نے کوئٹہ سے لکھا تھا، اپنے رسالہ ''اردو ادب'' میں شائع کر رہے ہیں، میرے اس خط کی اشاعت روک لیں، جب میں نے آپ سے افسانہ طلب کیا تھا، تو ہماری انجمن (انجمن ترقی پسند مصنّفین) نے ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کر رکھی تھی کہ وہ رسالے جنہیں ترقی پسند ادب کی تحریک سے اتفاق نہیں، اب یہ فیصلہ ہو چکا ہے، اور مَیں انجمن کے منشور، آئین اور فیصلوں کا پابند ہونے کے باعث یہ نہیں چاہتا کہ میرا وہ خط پڑھ کر ہماری تحریک کے ہمدرد الجھن

میں پڑ جائیں، امید ہے آپ میرا وہ خط روک لیں گے اور اگر ایسا ناممکن ہوا تو یہ خط بھی شائع کر دیں گے، شکریہ،

والسلام،
احمد ندیم قاسمی
لاہور، ۱۹/ستمبر ۱۹۴۹ء

(۴)

ترقیاپا

بھائی منٹو

آپ نے مضمون لکھنے کو کہا۔ اور میں مخمصے میں پڑ گیا۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں۔ میں ایک ترقی پسند لکھاری ہوں۔ ادیب کا لفظ جان بوجھ کر استعمال نہیں کر رہا۔ اگر چہ میرے ترقی پسند بھائیوں نے اس لفظ کو ہر لکھاری کے نام سے وابستہ کر دیا ہے۔ لیکن مَیں اپنے آپ کو ''ادیب'' کہہ کر لسانی بد دیانتی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا۔ ''نقوش'' کے پچھلے جشن آزادی نمبر میں بھائی احمد ندیم قاسمی نے ڈاکٹر تاثیر کی تصویر کے نیچے لکھا۔ ''جو ادب کے ہر گوشے پر حاوی ہیں۔'' بس یہی ادیب کی تعریف ہے۔ میں افسانہ نگار ہوں نہ شاعر۔ کبھی کبھی ہلکی پھلکی تنقید کر لیتا ہوں۔ لیکن برا ہو اس نالائقی کا۔ کہ شعور۔ تحت الشعور اور لاشعور کے سے الفاظ استعمال کرنے کا شعور نہیں۔ مارکسیت اور جدلیات سے بے بہرہ ہوں۔ اس لیے وہ جو ''ترقی پسند تنقید'' ہوتی ہے۔ میرے بس کا روگ نہیں۔ سیاسی اور صحافتی مقالے لکھ لیتا ہوں۔ اور میرے ترقی پسند دوست انہیں کبھی کبھی اپنی ترازو میں تول کر کہتے ہیں۔ ترقی پسند تو ہے۔ لیکن بورژوائی بو ابھی تک آتی ہے۔

ہاں تو میں ایک ترقی پسند لکھاری ہوں۔ آپ جانتے ہیں۔ آج کل رسالوں کی ترقی کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ اس میں ترقی پسندوں کی نگارشات چھپیں۔ اس لیے

ہم ترقی پسند لوگ عام طور پر احتیاط برتتے ہیں کہ کسی غیر ترقی پسند یا رجعت پسند رسالے میں مضمون نہ لکھا جائے۔اس سے ایسے رسالے خواہ مخواہ بازار میں زیادہ بکنے لگتے ہیں۔ اور ظاہر ہے۔ہم رجعت پسندوں کا فروغ نہیں چاہتے۔اندر ہی اندر ہم ترقی پسندوں میں کھچڑی پکتی رہی کہ فلاں فلاں رسالے کا بائیکاٹ کر دیا جائے، اس سے وہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔ بعض پرولتاری ساتھی ذرا تیز تھے۔انہوں نے اخبارات اور رسائل کے مقاطعہ کا تخلیقی پس منظر جو دیکھا۔تو علامہ مشرقی کی ایک حرکت دیکھ کر پھڑک اُٹھے۔ علامہ مشرقی کی پتنگ کسی زمانے میں خوب چڑھی ہوئی تھی۔اس نے ایک اخبار کے بائیکاٹ کا حکم جاری کیا۔خاکساروں سے کہا۔اس میں کوئی خبر اشاعت کے لیے نہ بھیجو۔ اور ہر شخص سے کہو۔کہ وہ اس اخبار کو کبھی نہ پڑھے۔یہ الگ بات ہے کہ بائیکاٹ کامیاب نہیں ہوا۔لیکن پرولتاری ساتھیوں نے کہا۔ہم اس نسخے کو ضرور آزمائیں گے۔نتیجہ یہ ہوا کہ انجمن ترقی پسند مصنّفین مغربی پنجاب کے مجلس عامہ نے پچھلے دنوں ایک قرارداد منظور کر دی۔جس کے آخر میں لکھا تھا۔

''اس کے ساتھ ہی ہم ترقی پسند ادیبوں اور صحافیوں سے اپیل کرتے ہیں۔کہ وہ سرکاری رسائل اور ان پرچوں کے ساتھ تعاون کر کے عوام کو غلط فہمی کا موقع نہ دیں، جو اپنے اداریوں میں تحریک کی مخالفت کرتے ہیں اور انتشار پھیلاتے ہیں۔

مجھے یاد نہیں، کہ آپ نے اپنے کسی اداریے میں تحریک کی مخالفت کی یا نہیں۔لیکن اس کے باوجود ''اردو ادب'' میں مضمون لکھنے سے میں گھبراتا تھا، کہ اسی قرارداد میں ترقی پسند ادیبوں اور صحافیوں اور دانشوروں سے اپیل کی گئی ہے۔کہ وہ رجعت پسند رجحانات کے علمبردار ادیبوں کے خلاف سخت جدوجہد کریں۔ اور انہیں مکمل طور پر بے نقاب کریں۔اس کے ساتھ ہی یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

''آج پاکستان میں ان رجعت پسند اور عوام دشمن ادیبوں کی پوزیشن یہ ہے کہ ایک طرف تو ادبی لٹیروں کا وہ سرغنہ ہے۔جو انجمن کی مخالفت میں تنظیمی طور پر ایڑی

چوٹی کا پسینہ صرف کیے دے رہا ہے۔ (ادبی قیادت کا محاورہ ملاحظہ ہو)۔ اس سرغنے میں عزیز احمد، حسن عسکری اور اختر حسین رائے پوری کا نام لیا جا سکتا ہے۔ تیسرا گروہ ان ادیبوں کا ہے جو اپنی رجعت پسندی میں گھٹنوں دھنسے رہنے کا باعث ترقی پسند ادب سے نفرت کرتے ہیں اردو چونکہ خلا میں نہیں رہ سکتا۔ اس لیے ادبی لٹیروں کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔ اس گروہ میں سعادت حسن منٹو اور اس خاکسار کے اسماء شامل تھے۔ قرۃ العین حیدر کا نام اس لیے کٹا کہ ''نقوش'' کے تازہ پرچے میں غلطی سے اُن کی تصویر چھپ چکی ہے۔ اور خاکسار کا نام اس وجہ سے کاٹا گیا کہ مجلس عاملہ کے کچھ ممبروں نے اصرار کیا) وغیرہ شامل ہیں۔''

منٹو صاحب! اب آپ ہی فرمایئے۔ میں ''اردو ادب'' کے لیے کیسے کوئی مضمون لکھوں؟ آپ کے ایک ایڈیٹر میرے ترقی پسند ساتھیوں کے نزدیک ادبی لٹیرے ہیں۔ اور آپ ادبی لٹیروں سے تعاون کر رہے ہیں۔ اگر مَیں نے آپ کے لیے مضمون لکھ دیا تو انجمن سے نکالا جاؤنگا۔ خدارا میری حالت پر رحم کیجئے۔ مَیں لٹیروں کا ساتھی بننے سے بال بال بچا۔ اور اب آپ مجھے گمراہ کر رہے ہیں۔

میں آپ سے ''ترقی پسندی'' کے نام پر اپیل کرتا ہوں۔ کہ آپ اپنے موجودہ مشاغل سے باز آ جایئے۔ اور اچھی چیزیں مت لکھیئے۔ آپ کے اچھے افسانوں اور مقالوں سے میرے ساتھیوں کی چودھراہٹ ختم ہوتی ہے۔ انہیں چودھری بنا رہنے دیجئے۔ آپ کا کیا ہرج ہے۔ اور اگر آپ موجودہ حرکتیں جاری رکھیں گے، تو یاد رکھئے۔ ہماری قرارداد میں یہ بھی لکھا ہے۔

''ہم ترقی پسند رسائل اور ان کے مدیروں سے خاص طور پر اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان رجعت پسند اور حکمرانوں کے نقارچی ادیبوں اور ان کے حامی موالیوں کی گمراہ کن تحریروں کو اپنے صفحات میں جگہ نہ دیں۔''

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ''نقوش'' اور ''سویرا'' میں ادبی پبلک سیفٹی ایکٹ

کے ماتحت آپ کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے گا۔ پھر آپ کو کون پوچھے گا؟ اس عبرت ناک انجام پر اچھی طرح سوچ بچار کر لیجئے۔

ممکن ہے آپ کے دل میں سوال اُٹھے کہ اگر میں لٹیروں کا ساتھی ہوں، تو انجمن ترقی پسند مصنّفین مغربی پنجاب نے پہلے یوم اقبال کی صدارت مجھے کیوں سونپی؟ صاحب اہم نے جھلک ماری۔ برا کیا، کہ آپ کو بلا لیا اور کیا کہتے ہیں؟ آپ سوچیں گے۔ کہ مجھے تو ترقی پسند نقاد بانس پر چڑھائے پھرتے تھے۔ لیکن ہم ایسی باتیں سننے کو تیار نہیں۔ جو شخص ادبی تخلیق کے بہتر نمونے پیش کر کے اپنے پرانے ساتھیوں کو احساس کمتری دلاتا ہے۔ وہ فاشی ہے، رجعت پسند ہے، لٹیرا ہے۔ ہم آپ کی ایک بات بھی سننے کو تیار نہیں ___ آپ کو غصہ آ گیا؟ ___ یہ سب کچھ حکمران طاقت کے اشارے پر کیا جا رہا ہے۔ یہ عوام دشمنی ہے۔ یاد رکھئے آج عوام دوستی اسی کا نام ہے کہ ترقی پسند مصنّفین کے دائرے کو محدود کیا جائے۔ صرف وہی لوگ لیے جائیں۔ جو ''پارٹی لائن'' پر چلنے کو تیار ہیں۔ آپ کیمونسٹ پارٹی کے ساتھیوں کا غصہ۔ ان اُصول پسند لوگوں کے حلقے سے الگ ہو کر میں کہاں جاؤں؟ میں کیسے آپ کے لیے مضمون لکھوں؟

لیجئے۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔ اور جاتے جاتے یہ مشورہ دیے جاتا ہوں۔ کہ ''آمریت'' کو ہمیشہ ''عامریت'' لکھا کیجئے۔ انجمن ترقی مصنّفین مغربی پنجاب کی قرار داد میں یونہی لکھا ہے۔ اسلیے ''آمریت'' رجعت پسندی ہے۔

عبدالسلام خورشید

لاہور

(۵)

آخری خط

عزیز منٹو،

تسلیم: مَیں تمہارا مضمون ''آغا حشر سے دو ملاقاتیں'' (مطبوعہ ماہنامہ جاوید) پڑھ چکا ہوں۔ تم تیسری ملاقات بھول گئے ہو۔ مجھے یاد ہے۔ کہاں؟ بوجھو؟ تمہیں سن یاد نہیں رہتے اور یہاں مہینے اور دن تک حافظے میں محفوظ ہیں۔ اس مضمون نے میرے ذہن کے سامنے ان واقعات کی تصویر پیش کر دی جن پر سولہ سال بیت چکے ہیں۔ ان واقعات کی یاد قائم رکھنے کی ذہن میں آئی کہ تمہیں ایک خط لکھوں۔ خط لکھنا شروع تو کر دیا لیکن اب اس سوچ میں ہوں کہ اسے کہاں ختم کروں۔

''لذیز بود حکایت دراز تر گفتم''

یہ خط آج کل میں تمہیں پہنچ جائے گا۔ بچوں کا پیارا

تمہارا بھائی

باری (مرحوم)

لاہور، ۱۲/اکتوبر ۱۹۴۹ء

[سعادت حسن منٹو، محمد حسن عسکری (مرتب) ''اردو ادب''، مکتبہ جدید لاہور، ص ۳۱۶۔۳۲۱]

حرفِ آخر

عمارت کا سب سے مضبوط حصہ اُس کی بنیادیں ہوتی ہیں مگر یہ بنیادیں اپنی تمام تر مضبوطی کے باوجود ایک خاص سطح سے بلند نہیں ہوسکتیں اوپر کی عمارت کا نقشہ بنیاد سے مختلف ہوتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اور رہائش و استعمال کی ضرورت کے مطابق دیواروں اور ان کے اوپر اٹھائی جانے والی منزلوں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے کچھ ایسی ہی بات اصنافِ ادب کے ساتھ ہوتی ہے بنیادی پابندیوں اور شناختی نشانیوں کے طے ہوجانے کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ ان میں مضامین وموضوعات سے تبدیلیاں اور اضافے ہوتے رہتے ہیں نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صنف بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور شیفتگی کے اساسی اور سیرت وکردار مصطفیٰؐ کی مدح وثنا کے بنیادی لازمے کے ساتھ وقت کے ساتھ ساتھ مضامین وموضوعات کی تازہ کاری کی متلاشی رہی ہے اور رہے گی۔ محسن کاکوروی، احمد رضا خاں اور علامہ اقبالؒ کی شاعری کے نعتیہ افکار کے مطالعے پر یہ فرق واضح ہوجاتا ہے۔

زبان وبیاں کی مہارت، بدیع، محاورہ، سراپا نگاری ___ امکان نظیر اور امتناع نظیر، مسلکی بحثوں سے وابستہ مضامین وموضوعات جو انیسویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے پہلے ربع تک (اور اب بھی کہیں کہیں) نعت میں عام ہیں علامہ اقبال کے مختصر اثاثۂ نعت (خصوصاً ''ذوق وشوق'' میں) موضوعات کی تازہ کاری کے اظہار کے بعد ہمارے نعت نگاروں سے ندرت اظہار کے آرزومند ہیں ارتقائے نعت کے مرحلے اب اس بات کے متقاضی ہیں کہ آج کی نعت کو نئے فکری وفنی اسالیب سے آمیز کیا جائے؟ قدیم اسالیب نعت اپنی جگہ اہم بلیغ اور موثر ہیں مگر ایسے رویوں کے تکرار سے نعت کا ارتقائی سفر جاری نہیں رہ سکتا اس کے لیے ضروری ہے کہ عصر حاضر

کے نعتیہ لسانی پیرائے میں سماجی و معاشرتی تبدیلیوں، تہذیبی و ثقافتی اور تمدنی تناظرات کو بھی پیش نظر رکھا جائے اگر غزل کے ارتقائی سفر سے اس مسئلہ کی مثال دی جائے تو بات کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو گی آپ دیکھیے ولی دکنی، ناصر کاظمی، احمد فراز، منیر نیازی سے لے کر آج کی سائنسی انکشافات سے لدی غزلوں میں کتنا فرق ہے؟

مضامین و موضوعات اور لسانی پیراؤں کے حوالے سے نعتیہ، منظر نامے میں بھی تبدیلیاں آ رہی ہیں نعت اپنے اساسی اور بنیادی رویّوں (حبّ رسولؐ و مدح رسولؐ) کے توسیعی بیانیوں کے ساتھ آج کے سماجی، عمرانی اور تمدنی انقلابات اور آشوب سے مضامین اخذ کر رہی ہے۔

اکتیسویں شمارے کے اداریے میں صبیح نے ایک اور اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے خیال سے خیال آگے چلتا ہے اور مسئلہ سے مسئلے کی کئی اور شاخیں سامنے آتی ہیں یہ عمل شعوری بھی ہے غیر ارادی بھی، اگرچہ یہ سوال کئی صدیوں پر پھیلا ہُوا ہے کہ معاشرے میں ادب اتنا موثر کیوں نہیں؟ ہر زمانے کے اہلِ علم و ادب کو اپنے زمانے سے گلہ رہا ہے کہ اُن کی باتیں لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں کرتیں وہ اکثر فکر مند رہتے ہیں۔ اُن کی آواز صدبصحرا کیوں ہے اہلِ قلم کی اتنی تعداد صدیوں سے نیکی اور خیر کے رویّوں کی تعلیم کر رہی ہے مگر اس کے باوجود معاشرہ روز بروز اتنا وحشی اور ظالم کیوں ہوتا جا رہا ہے؟

شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں کے مساعی کا ذکر چھوڑیے پیغمبروں کے فرمودات، تعلیمات اور الہامی صحائف کے اثرات معاشرے پر جتنے ہونے چاہیں اتنے تو نہیں ہو رہے ___ سورہ 'انعام' میں آیا ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ
اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ O

ترجمہ: اور اگر تو اکثریت کا کہا مانے گا جو دنیا میں ہیں تو تجھے اللہ کی راہ سے

ہٹا دیں گے، وہ تو اپنے خیال پر چلتے ہیں اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

اس بارے میں ہمیں ایک خاص حد تک فکرمند ہونا چاہیے ___ یہ خاص حد تک بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے ایسی فکرمندی بھی کارِ ثواب ہے کہ آدمی علامہ اقبال کی طرح

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکر جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا

کہہ کہ اس کارخانہ قدرت سے الگ تھلگ بھی نہیں رہ سکتا ___ علامہ کی یہ سوچ بھی ایک شعری لمحے اور رویّے کی سوچ تھی ورنہ وہ ساری عمر اصلاحِ احوال کے لیے کوشاں رہے اور اُن کا پورا شعری سفر بحیثیتِ مجموعی تعمیرِ ملّت کی مساعی کا سفر تھا ایک حسّاس شاعر معاشرے کی بے ترتیبی، احوال کی ناہمواری اور انسانی متوازن رویّوں سے غیر متعلق نہیں رہ سکتا اور نہ اس ساری خرابی کا خاموش تماشائی ___ بہر حال ہمیں مقدور بھر اصلاح احوال کے لیے اپنی زبان اور قلم سے کوشاں رہنا چاہیے اُسے اس جلنے کڑھنے کا بھی اجر ملے گا۔

بدی کے دَور میں جیتے ہیں لیکن کسی دکھی دل سے
ریاض اپنی یہ اک نیکی ہی شاید وجہ بخشش ہو؟

ہمارے 'موذّنِ نعت' صبیح رحمانی نے اس دہشت اور افراتفری کی فضا میں نعت نگاروں کی توجہ اس طرف ضرور مبذول کرائی ہے کہ انہیں اپنی ذمہ داری نبھانے کے لیے اپنے فن کو حالات حاضرہ سے آمیز کرنا چاہیے امّت مسلمہ ان دنوں جن احوال و مسائل سے دوچار ہے اس کا ذکر اور اس کے دکھ سکھ ہمارے فن کے اندر جھلکنے چاہیے اور ہمارے نعت نگاروں نے انہیں جمالیاتی قرینے سے اپنی نعت کاری کا حصہ بنانا چاہیے مثلاً ان دنوں روہنگیا، بھارت، کشمیر اور فلسطین میں مسلمانوں پر جو مظالم ٹوٹ رہے ہیں کیا وہ ہمارے تخلیقی شعور کا حصہ بن رہے ہیں؟ ان کی کوئی جھلک کیا ہماری نعت میں بحثیت مجموعی نظر آ رہی ہے؟ آپؐ سے محبت وعقیدت، مدینہ منورہ جانے، وہاں قیام

کرنے کی آرزو نعت کے مستقل موضوعات ہیں مگر ایک جسم کی طرح مربوط رہنے والی امّت (جو اسلام کا مقصود ہے) اگر جس طرح آج پارہ پارہ اردو کئی مسلکوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی ہے تو اس کے زخموں کا مداوا نعت کے ذریعے کیسے ہو گا؟ آج اردو نعت کو استمداد اور استغاثہ کے کون سے نئے پیرائے درکار ہیں جن کے ذریعہ نعتیہ افکار کا اظہار بھی ہو اور نعت کے فن کا مطلوب گداز بھی برقرار رہے۔

''زندہ ادب اور باشعور ادیب خواہ اس کا تعلق کسی بھی فکر یا نظریے سے ہو اور فن کی ماہیت کا کوئی بھی تصور رکھتا ہو، اپنے زمانے کی صورتِ حال اور اُس کے مسائل و سوالات سے غافل نہیں ہو سکتا۔''

انسانی سماج میں درندگی کا تناسب تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اس قدر تیزی سے کہ اس کے بنیادی سبب کی نہ تفتیش ہو پا رہی ہے اور نہ ہی ان اسباب کے روک تھام کے اقدامات کا تعین۔ حد یہ ہے کہ اس کی نوعیت تک پوری طرح واضح نہیں ہے۔ کہیں یہ مذہبی عصبیت کی صورت میں ہے تو کہیں ثقافتی برتری کے قالب میں۔ کہیں اُس کا غالب رجحان سیاسی ہے تو کہیں لسانی۔ کہیں اُس کی شکل رنگ و نسل کے تفاخر میں ابھرتی ہے تو کہیں گروہی تعصب میں۔ غرضے کہ مختلف علاقوں اور حالات میں یہ طوفان مختلف صورتوں میں موج در موج اٹھتا انسانیت اور تہذیب کے ہزاروں برس میں تشکیل پانے والے سارے نظام کو خس و خاشاک کی صورت بہالے جانے پر مصر نظر آتا ہے۔

''نعتیہ ادب سے وابستہ ادیب و شاعر تو براہِ راست اس منبعِ حیات اور مرکزِ نور سے فیض پاتا ہے جو اس کائنات کی تخلیق اور روشنی کا بنیادی حوالہ ہے۔ جس نے انسانیت کو بھائی چارے، امن، محبت اور باہمی رواداری کا سب سے بڑا، وقیع اور دائمی منشورِ حیات عطا کیا اور یہ ضابطہ ہر طرح کی تفریق اور امتیاز کی نفی کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نعت کہنے، نعت پڑھنے اور نعت کے افکار و تصورات پر گفتگو کرنے والے لوگوں کی اُن اقدار سے وابستگی اور ان کا شعور دوسروں کے مقابلے میں یقیناً

زیادہ گہرا ہوگا، اور ہونا بھی چاہیے۔ اس لیے کہ وہ سب سے بڑھ کر ان اقدار کے پاس دار ہیں۔ ان اقدار سے اُن کی وابستگی محض فکری وفنی سطح پر نہیں بلکہ انسانی کردار کے ٹھوس حوالے سے ہے۔

فکری اور اخلاقی اقدار جب شخصی جوہر سے ہم آمیز ہو کر تخلیقی عمل میں رونما ہوتی ہیں تو معجزۂ فن کی نمود ہوتی ہے۔ آج کا نعت نگار عصری انسانی شعور کی تشکیل میں دوسروں سے بڑھ کر اہم اور بامعنی کردار اسی وقت ادا کرسکتا ہے جب اسے اپنی ذمہ داریوں کا مکمل طور پر ادراک ہو۔''

کہتے ہیں غرض مند دیوانہ ہوتا ہے کسی شے کی لگن اور تجسس کیسے کیسے منطقوں میں انسان کو گھماتی پھراتی ہے اس کے بارے میں کوئی طے شدہ ضابطہ نہیں ہوتا اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کی تمہیدی مباحث کو ترتیب دیتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس لفظ (نعت) کو تلاش کیا جائے ''المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' دستیاب تھی۔ یہ معجم صحاح سند، مسند الدارمی، موطا امام مالک اور مسند امام حنبل وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس معجم میں اور دو تین دوسری کتابوں میں یہ لفظ اپنی صحیح صورت اور اشتقاقی حالتوں میں پچاس کے قریب ملا۔ مَیں نے یہ فہرست اپنے مقالے کے ضمیمہ نمبرا بعنوان ''احادیث نبویؐ میں لفظ نعت کا استعمال'' میں دے دی ہے۔ قرآن مجید میں نعت کا لفظ نہیں لیکن انہیں دنوں ایک بار سورہ طٰہٰ کی یہ آیت وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي (طٰہٰ: ۴۱) پڑھتے ہوئے میں چونکا اس میں ن ع ت حرف قریب قریب آئے ہیں۔ ترجمہ: ''اور مَیں نے تم کو اپنے (کام کے) لیے بنایا ہے''

یہ حروف اور لفظ اور معنی میں استعمال ہوتے ہیں ان کا 'نعت' کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے یہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام (فرعون کے دربار میں بھیجے جانے کے حوالے سے مخاطب ہے) حروف کی اتفاقی قربت نے مجھے دو چار لمحوں کے لیے کیسے الجھاوے میں

ڈال دیا___ غرض مند کی دیوانگی ایسے ہی ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں تنقید ویسے ہی کم ہے۔کلیم الدین احمد کی کتاب ''اردو تنقید پر ایک نظر'' ڈالیے یہ کتاب ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی اس کے آغاز بعنوان 'تمہید' کا پہلا جمعہ دیکھیے :

''اردو میں تنقید کا وجود محض فرضی ہے یہ اقلیدس کا خیالی نقطہ ہے یا معشوق کی موہوم کمر

صنم سنتے ہیں تیرے بھی کمر ہے
کہاں ہے؟ کس طرف کو ہے کدھر ہے

گویا___ اردو میں تنقید کا آغاز اردو شاعری اور ادب کے آغاز کے بہت بعد میں ہوا اس میں تنقید کے ابتدائی نمونے کلیم الدین احمد کے خیال میں نایاب تھے۔

جب اردو تنقید کا یہ حال ہے ان حالات میں نعت کی تنقید کا کیا حال ہوگا؟ تنقیدِ نعت کی قحط سالی میں 'نعت رنگ' کے اداریوں میں بکھرے بکھرے وہ تنقیدی جملے اور نقدِ ساماں فقرے بھی کتنے اہم ہیں جو ایسے اشارے اور معنویت لیے ہوئے ہیں جن پر باقاعدہ تنقیدی مضامین کی بنیاد اٹھائی جاسکتی ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی

منتظر ہیں کہ کوئی تیشہ تخلیق اٹھائے
دفن ہیں کتنے صنم آج بھی کہساروں میں

......O......